محرم الحرام/صفر المظفر
علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ
ستمبر 2020

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

قرآن وسنت اور اولیائے کرام کی دعاؤں کا نادر مجموعہ

مستند مجموعۂ وظائف

حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ
تصدیق شدہ

اب ایپلی کیشن میں بھی دستیاب ہے۔

جس میں آپ حاصل کریں گے:

- سورۂ کہف، سورۂ یٰس مع فضائل
- سورۂ رحمٰن، سورۂ واقعہ مع فضائل
- مستند درود و سلام و ستر استغفار
- اسمائے حسنیٰ مع اسم اعظم و چہل ربنا
- جادو، غم و پریشانی اور بیماری سے حفاظت کی دعائیں
- سفر، نماز، حفاظت و عافیت اور صبح و شام کی دعائیں

GET IT ON Google Play

اس کوڈ کو اسکین کریں
یا
اس نام سے تلاش کریں
Mustanad Majmoa Wazaif

www.mbi.com.pk
مکتبہ بیت العلم

Scan the above code or search
Mustanad Majmoa Wazaif
on Play Store

Shangrila
THE FOOD EXPERTS!
IMLI GINGER SAUCE
BAR-B-Q SAUCE
GREEN CHILLI SAUCE
GARLIC CHILLI SAUCE
SHANGRILA KETCHUP AND SAUCES
TASTY!
DELICIOUS!
KHAANON KAY MUST HAVES!
TOMATO KETCHUP
SMART PACK
Tantalize your taste buds
www.shangrila.com.pk
ShangrilaPakistan
ShangrilaPakistan

USWA
EDUCATION WORLD
U.E.W
Nurturing Young Souls

اسوہ ایجوکیشن ورلڈ

داخلے جاری ہیں

حفظ القرآن

ناظرہ اور مکتب کلاسیں بچوں اور بچیوں کے لیے

پلے گروپ

مونٹیسوری لیول ۱

مونٹیسوری لیول ۲

کلاس ۱ تا ۵

خصوصیات

- دورِ جدید کہ تقاضوں سے ہم آہنگ
- نظم وضبط اور اسلامی شعار کی پابندی
- فیس کم، معیار اعلیٰ
- مستعد اور تجربہ کار اسٹاف
- تعلیم کے ساتھ تربیت کا خاص اہتمام
- نصابی اور ہم نصابی سرگرمیاں

داخلے جاری ہیں برائے
پلے گروپ، مونٹیسوری لیول (۱) مونٹیسوری لیول (۲)
کلاس (۱ تا ۵) اور (شعبہ حفظ و ناظرہ)
رجسٹریشن کے لئے جلد رابطہ کیجیے

جامع مسجد سلیمانیہ، نزد فتح حلوائی، کلیٹن کوارٹرز، جمشید روڈ نمبر 1، کراچی
021-34895444 0300-2686096 0333-2387501

پیغامِ الٰہی جل جلالہ

عبدالعزیز

(مفہوم آیت:۷۵، از سورۂ بقرہ)

"(اے مسلمانو!) کیا تم لوگ یہ امید رکھتے ہو کہ یہودی تمھارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے! حال آں کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سنتے رہے ہیں، پھر اُس میں ردو بدل کرتے رہے ہیں، اس کے بعد کہ وہ یہ سمجھتے تھے اور جانتے تھے (کہ یہ غلط ہے)۔"

عزیز دوستو! حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو اللہ تعالیٰ کا کلام تبدیل کرنے کا ذکر ہے، اس سے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے، جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ستر آدمیوں کو اپنے ساتھ طور پہاڑ پر اللہ تعالیٰ سے بات کرنے کے لیے لے گئے تھے۔ وہاں انھوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا، لیکن جب قوم کے پاس واپس آئے تو اُس کے خلاف بیان دیا جو وہاں سن کر آئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے توریت شریف میں تبدیلی کرنا مراد ہے، یعنی یہودی علما رشوت لے کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیتے تھے، حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات اور علامات توریت شریف میں تھیں، انھیں بھی تبدیل کر دیا تھا اور اِس برائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہودی بھی بتلا تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ آرزو ختم فرما دی کہ یہ یہودی ایمان لائیں گے، کیوں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے، پھر جان بوجھ کر بوجھتے اور سمجھتے ہوئے اس میں ردّو بدل کر دیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہودی نہ اپنے ان بڑوں پر کوئی نکیر کرتے تھے اور نہ ہی ان کے اس کام کو غلط بتلاتے تھے، بل کہ ایسا کرنے والے اپنے ان بڑوں سے محبت میں بہت آگے بڑھے ہوئے تھے اور پھر خود بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتے تھے اور دوسروں کو بھی ایمان لانے سے روکتے تھے تو ایسے لوگ خود کیسے ایمان لائیں گے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں ان یہودیوں کی بُری صفات سے بچائے اور مومنین کی صفات اپنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

پیغامِ نبوی

ارشد علی نواب شاقی

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا گیا اور پھر اُس نے بھلائی کرنے والے کو (جزاك الله خيرًا) کہہ دیا تو گویا اُس نے شکریہ کا حق ادا کر دیا۔"

(ترمذی، ۲۰۳۵)

عزیز ساتھیو! ہمیں اس دنیا میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی ہم کسی کی مدد کرتے ہیں اور کبھی کوئی ہماری مدد کر رہا ہوتا ہے۔ امی اور بہنیں ہمارے لیے کھانا وغیرہ پکاتی ہیں۔ ابو اسکول اور مدرسے کا خرچ برداشت کرتے ہیں۔ ابو سے جیب خرچ لیتے ہیں۔ کبھی بیمار ہو جائیں تو ڈاکٹر سے علاج کروا لیتے ہیں۔ اسکول میں اساتذہ ہمیں پڑھاتے سکھاتے ہیں۔ کبھی کوئی بات سمجھ نہ آئے تو کسی ہم جماعت سے سمجھ لیتے ہیں۔ کبھی ہم نے فقیر کو کچھ کھانے کو دے دیا۔ کبھی ہم نے بہن اور بھائی کے جوتے پالش کر دیے، کپڑے استری کر دیے۔ کوئی بیمار ہوا تو اُس کی عیادت کے لیے چلے گئے وغیرہ وغیرہ۔

تو ایک بات یاد رکھنے کی ہے۔ جب بھی ہم سے کوئی اچھا معاملہ کرے تو پھر وہ دعا ضرور دیں جو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی ہے اور وہ ہے:

جزاك الله خيرًا

اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ اگر یہ دعا ہمارے حق میں یا ہم نے کسی کو دی، دینے والے کے لیے قبول ہو گئی تو دنیا اور آخرت، دونوں سنور جائیں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ!

اس لیے آج سے ہم سب کوشش کریں کہ اس مبارک جملے کو عام کریں اور اپنی عادت بنائیں۔ چاہے گھر میں ہوں یا اسکول میں، بازار میں ہوں یا دکان میں، مسجد میں ہوں یا مدرسے میں، سفر میں ہوں یا ہسپتال میں، جہاں کہیں بھی جو ہم سے بھلائی والا معاملہ کرے تو اُسے جزاک اللہ خیراً کہیں اور ہمیں کوئی جزاک اللہ خیراً کہے تو ہم "آمین وَاِیّاکُم" کہیں۔

اب دھیان سے اس موقع پر ہم یہ کہنا نہ بھولیں: جزاك الله خيرًا۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

زیر سرپرستی:
حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

محرم الحرام/صفر المظفر ۱۴۴۲ ہجری | جلد: 14

شمارہ: 04

ناشر ~~~ محمد عارف رشید

مجلس ادارت

- مدیر ~~~ عبدالعزیز
- معاون ~~~ محمد طلحہ شاہین

مجلس مشاورت

پروفیسر محمد احمد خان صاحب

راشد علی نواب شاہی

سرورق السٹریٹر ~~~ سید ناصر
آرٹسٹ ~~~ قیصر شریف
کمپوزر ~~~ سعد علی
نگران ترسیل ~~~ منور عمر

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وقف ہے۔

قیمت 70

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک
1000/=
بذریعہ عام ڈاک
750/=

ماہ نامہ ذوق و شوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمالیں۔

خط و کتابت کا پتہ:
ماہ نامہ ذوق و شوق، پی۔ او۔ بکس نمبر 17984 پوسٹ کوڈ 75300 گلشن اقبال، کراچی
Email: zouqshouq@hotmail.com
zouq shouq/ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں
0213-4990760, 0341-4410118
What's app: 0324-2028753
دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00 دوپہر 2:30 تا 6:00

06 سیرت کہانی ۱۲ — عبدالعزیز
09 بلاعنوان (۱۵۷) — محمد احمد رضا انصاری
12 پھول گوبھی — سعد علی چھیپا
13 گم نام ہیرو — ش۔م۔دانش
16 اندھے ہوگیا! — سمیر ریسم
18 جگنو اور گائے (نظم) — ڈاکٹر صفیہ سلطانہ صدیقی
19 دل پھٹ گیا (تاریخی جھلکیاں) — محمد حذیفہ رفیق زم زمی
21 دشمن — مریم شہزاد
22 قرآن کوئز ۱ (کھیل) — سعد علی چھیپا
23 سچی کہانی — وزیہ ظفر
25 خاموش گزرگاہوں کا شہر — الطاف حسین
32 سردار — غزالہ عزیز
33 اللہ میاں! — کاوش صدیقی
38 جھوٹوں کے جھوٹے ۸ — حافظ محمد دانش عارفین حیرت
40 مٹی کا قرض — الطاف حسین
43 دعا (نظم) — ارسلان اللہ خان
43 بچو! اس کا نام بتانا ۲ (کھیل) — ریحان طائر
46 بھولنا نہیں...... — فرہاج صلاح الدین
47 سوال آدھا جواب آدھا (کھیل) — الطاف حسین
50 صف شکن ۲۳ — محمد فہیم عالم
52 ایک مخفی دنیا — ڈاکٹر عاصم بھروچہ

پبلشر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیمی و تربیتی ترقی و اصلاح کی خاطر ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

PARADISE BOOKS DISTRIBUTORS
Karachi: J-73, UNIT-1, GROUND FLOOR, OFF ALLAMA IQBAL ROAD, PECHS BLOCK-2, KARACHI. 021-34314981
LAHORE: SIDDIQUE MANAZIL, 2ND FLOOR, 40-ABBOT ROAD, STREET NEON PRINCE, LAHORE. 051-48430042
RAWALPINDI: OFFICE NO 2, FIRST FLOOR, STAR PLAZA, PARADISE HOUSE, RAWALPINDI. 042-3629701

علیک سلیک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ بخیر وعافیت ہوں گے۔

دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو دو خدا مانتے ہیں۔ ایک خیر کا خدا اور دوسرا بُرائی کا، یعنی ان کا عقیدہ یہ ہے کہ خیر اور بھلائی کے فیصلے اور حالات ایک خدا لاتا ہے اور شر اور برائی کے فیصلے اور حالات دوسرا خدا لاتا ہے۔ نعوذ باللہ!

ہم مسلمان ہیں، ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خیر ہو یا شر، بھلائی ہو یا بُرائی، دونوں طرح کے فیصلے ایک اللہ تعالیٰ ہی فرماتے ہیں، ہر طرح کے اچھے یا بُرے حالات اللہ تعالیٰ ہی لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی انھیں بدلتے ہیں۔

اب دیکھیے نا کہ کورونا جیسی عالمی وبا اللہ تعالیٰ کے حکم سے آئی اور اَب اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ختم ہو رہی ہے۔ ہمیں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور عملی شکر کے طور پر نماز، ذکر، تلاوت، دعا، صدقہ اور خیرات کا اہتمام کرنا چاہیے۔ والدین کی بات ماننی چاہیے۔ بہن بھائیوں کے ساتھ پیار و محبت سے وقت گزارنا چاہیے اور اگر پہلے سے الحمدللہ یہ سب کر رہے ہیں تو مستقل کرتے رہیے۔

دوسری بات یہ کہ تعلیمی ادارے عن قریب کھلنے والے ہیں، لہٰذا اَب اپنا بستر گول کر کے دھواں دار پڑھائی کے لیے کمر کس لیجیے۔ سستی، کاہلی اور غفلت کی چادر اُتار پھینکیے۔ کیا کہا؟ آپ کی پڑھائی چل رہی ہے؟ وہ کیسے؟

اچھا، آن لائن کلاسیں لے رہے ہیں۔ ارے! قرآن کریم کی بھی آن لائن کلاسیں ہو رہی ہیں! ماشاء اللہ! یہ تو بہت اچھی بات ہے! اسے کہتے ہیں ٹیکنالوجی کا درست استعمال..... لگے رہیے! لگے رہیے! اور اِسکول کھلنے سے پہلے پہلے اس قابل ہو جایئے کہ آپ کے اساتذہ حیران رہ جائیں کہ آپ کو تو سب کچھ یاد ہے! اس کا مطلب ہے، آپ نے لاک ڈاؤن میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا ہے۔

کیوں بھئی! کریں گے نا اسی طرح؟ جو جو تیار ہیں وہ ہاتھ اُٹھائیں!

عبدالعزیز

سیرتِ ہادی (۱۶)

عبدالعزیز

اس سلسلے میں حضور ﷺ اپنے رشتے داروں اور خاندان کے ساتھ شعبِ ابی طالب کی گھاٹی میں تھے۔

شعب ابی طالب سے نکلنے کے چند روز بعد ہی رمضان یا شوال ۱۰ نبوی میں ابوطالب انتقال کر گئے اور پھر تین یا پانچ دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انتقال فرما گئیں۔

(زرقانی، ج:۱،ص:۲۹۱-۲۹۲)

جب ابو طالب کا انتقال ہونے لگا تو رسول ﷺ ان کے پاس تشریف لائے۔ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بھی وہاں موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''چچا! آپ ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجیے، تا کہ اللہ تعالی کے سامنے میں آپ کی سفارش کر سکوں۔''

ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا:

''ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین کو چھوڑ دو گے؟'' یہ سُن کر ابوطالب نے لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا اور آخری کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ عَلٰی مِلَّۃِ عَبْدَ الْمُطلب، یعنی میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔''

ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں مسلسل ابوطالب کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے اس کام سے منع نہ کیا جائے۔'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس کا مفہوم ہے: ''نبی اور مسلمانوں کے لیے گنجائش نہیں کہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں، اگرچہ ان کے رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں، جب کہ یہ واضح ہو گیا ہو کہ یہ لوگ دوزخی ہیں، یعنی کفر پر مرے ہیں۔''

(التوبۃ: ۱۱۳)

ایک اور آیت بھی نازل ہوئی، جس کا مفہوم ہے: ''آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

(القصص:۵۶)

ابوطالب کے انتقال کے بعد جب دنیا میں آپ ﷺ کا کوئی مددگار نہ رہا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رخصت ہو جانے کے بعد کوئی تسلی دینے والا نہ رہا تو آپ ﷺ نے سن ۱۰ نبوی، شوال کے مہینے میں طائف جانے کا ارادہ فرمایا کہ شاید وہاں کے لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول کریں اور اس دین کے مددگار رہوں۔

چناں چہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے۔ عبد یا لیل، مسعود، حبیب، یہ تین بھائی تھے جو طائف کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ ان لوگوں نے آپ کی دعوت سن کر ماننے کے بجائے نہایت سختی سے آپ ﷺ کو جواب دیا۔ ان میں سے ایک نے کہا:

''کیا خدا نے کعبے کا پردہ چاک کرنے کے لیے تمھیں نبی بنا کر بھیجا ہے!''

دوسرے نے کہا:

''کیا خدا کو نبی بنانے کے لیے تمھارے علاوہ کوئی اور نہیں ملا!'' تیسرے نے کہا:

''خدا کی قسم! میں تم سے بات نہیں کروں گا، کیوں کہ اگر واقعی اللہ نے تمھیں اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تو تمھاری بات نہ ماننا خطرناک ہے اور اگر تم اللہ کے رسول نہیں ہو تو پھر تمھاری طرف توجہ دینا اور تمھاری بات سننا بے کار ہے۔'' اس کے بعد بازاری لڑکوں کو اللہ کے رسول ﷺ کے

خلاف بھڑکا دیا
کہ وہ آپ ﷺ پر پتھر
برسائیں اور آپ ﷺ کا مذاق
اڑائیں۔

ان ظالموں نے آپ ﷺ پر اس قدر پتھر برسائے کہ آپ ﷺ زخمی ہوگئے۔ جب زخموں کی تکلیف کی وجہ سے بیٹھ جاتے تو وہ بدنصیب آپ ﷺ کے بازو پکڑ کر دوبارہ پتھر برسانے کے لیے کھڑا کر دیتے اور ہنستے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اِس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے، وہ آپ کو بچاتے اور یہ کوشش کرتے کہ جو پتھر بھی آئے وہ بجائے آپ کو لگنے کے انھیں لگے۔ اسی دوران میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر زخمی ہوگیا اور آپ ﷺ کے پاؤں اس قدر زخمی ہوگئے کہ ان سے خون بہنے لگا۔

راستے میں عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کا باغ تھا۔ وہاں ایک درخت کے سائے میں سانس لینے کے لیے آپ ﷺ بیٹھ گئے اور یہ دعا مانگی:

''اے اللہ! میں تجھ سے اپنی کم زوری اور تدبیر کی کمی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنے ہلکا ہونے کی شکایت کرتا ہوں، تُو کمزوروں کا خاص طور پر مددگار ہے۔ تُو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے، کسی غضب ناک اور ترش رو دُشمن کے یا کسی دوست کے کہ جسے تُو میرے معاملات کا مالک بنائے۔ اگر تُو مجھ سے ناراض نہیں تو پھر مجھے کسی کی پروا نہیں، مگر تیری عافیت اور سلامتی میرے لیے سہولت کا ذریعہ ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری بزرگ ذات کے وسیلے سے، جس کے ذریعے تمام اندھیرے دور ہوتے ہیں اور تیرے اسی نور کے سبب دنیا اور آخرت کے کام بنتے ہیں۔ میں اِس سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیری ناراضی مجھ پر اُترے اور اصل مقصد تجھی کو منانا اور راضی کرنا ہے۔ بندے میں کسی شر سے بچنے اور خیر کے کرنے کی طاقت تیری توفیق سے ہوا کرتی ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین۔ الرقم: ۱۸۱)

اس دعا کی قبولیت کا پہلا اثر یہ ظاہر ہوا کہ آپ کے دشمن عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کو آپ کی حالت پر ترس آ گیا اور اُنھوں نے اپنے عیسائی غلام عداس کو بُلا کر کہا: ''ایک تھال میں انگور رکھ کر اِس شخص کے پاس لے جاؤ اور کہو کہ اس میں سے کچھ ضرور کھائیں۔''

عداس نے آپ ﷺ کے سامنے وہ تھال لا کر رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا۔ عداس نے کہا: ''خدا کی قسم! اس شہر میں تو کوئی شخص بھی یہ کلمات کہنے والا نہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے عداس سے فرمایا: ''تم کس شہر کے رہنے والے ہو اور تمھارا مذہب کیا ہے؟'' عداس نے کہا: ''میں شہر نینویٰ کا باشندہ ہوں اور عیسائی ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی نینویٰ کے جہاں اللہ کے نیک بندے یونس بن متیٰ (علیہ السلام) رہتے تھے۔'' اس نے کہا: ''آپ یونس بن متیٰ کو کیسے جانتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ میرے بھائی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔''

عداس نے آپ ﷺ کی پیشانی، ہاتھوں اور پیروں پر بوسہ دیا اور کلمہ پڑھ لیا۔ جب عداس آپ ﷺ کے پاس سے واپس آیا تو عتبہ اور شیبہ نے کہا: ''تم اس شخص کے ہاتھوں اور پیروں کو کیوں چوم رہے تھے؟ یہ شخص کہیں تمھیں تمھارے دین سے نہ ہٹا دے۔ تمھارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔''

(عیون الآثار، ج:۱، ص: ۱۳۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے ایک بار عرض کیا: 'یارسول اللہ! آپ پر کیا جنگ اُحد سے بھی زیادہ سخت دن گزرا ہے؟' آپ ﷺ نے فرمایا:

'تمھاری قوم سے جو تکلیفیں مجھے پہنچیں وہ تو پہنچیں، لیکن سب سے زیادہ سخت دن وہ گزرا جس دن میں نے اپنی بات عبد یالیل کے سامنے پیش کی اور اُس نے میری بات نہیں مانی۔ میں وہاں سے نہایت غم گین اور رنجیدہ واپس ہوا۔ مقام قرن الثعالب میں پہنچ کر کچھ اَمن ہوا۔ اچانک جو سر اُٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بادل مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے اور اُس میں حضرت جبریل علیہ السلام موجود ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے وہیں سے مجھے آواز دے

کر کہا:

'آپ کی قوم نے آپ کو جو جواب دیا، اسے اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، تاکہ آپ اسے جو چاہیں حکم دیں۔' اتنے میں پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دے کر سلام کیا اور کہا: 'اے محمد! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، تمام پہاڑ میرے اختیار میں ہیں۔ آپ جو چاہیں، مجھے حکم دیں۔ اگر آپ حکم دیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو ملا دوں (جن کے درمیان مکہ اور طائف والے رہتے ہیں)، جس سے تمام لوگ پس جائیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''نہیں، میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔''

(فتح الباری، ج:۶، ص:۲۲۵)

اس عرصے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ کی ہجرت کی نیت سے نکلے، تاکہ حبشہ میں موجود پہلے سے ہجرت کر کے جانے والے مسلمانوں سے جا ملیں۔ جب مقام برک الغماد پر پہنچے تو کبیرۃ قارہ کے سردار ابن دغنہ سے ملاقات ہوئی۔ ابن دغنہ نے پوچھا:

''اے ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے؟'' ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:''

میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، لہٰذا میں یہ چاہتا ہوں کہ خدا کی زمین میں گھوموں پھروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔'' ابن دغنہ نے کہا:

''ابوبکر! تم جیسا آدمی نہ نکلتا ہے اور نہ نکالا جاتا ہے، کیوں کہ تم ناداروں کے لیے سامان مہیا کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، قرض داروں کا قرض اتارتے ہو، مہمان نواز ہو، حق کا ساتھ دینے والے ہو۔ میں تمھیں اپنی پناہ میں لے لیتا ہوں، تم واپس لوٹ جاؤ۔''

پھر قریش کے سرداروں کی موجودگی میں انھوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور قریش کے سرداروں سے مخاطب ہو کر کہا:

''ابوبکر! جیسا آدمی نہ نکلتا ہے اور نہ نکالا جاتا ہے! کیا تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو ناداروں کے لیے سامان مہیا کرتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، لوگوں کے بوجھ اٹھاتا ہے، مہمان نواز ہے، حق کا ساتھ دیتا ہے۔ میں نے انھیں پناہ دی ہے۔''

قریش کے لوگوں نے ابن دغنہ کی پناہ کو تسلیم کر لیا، لیکن کہا:

''آپ ابوبکر سے یہ کہہ دیں کہ اپنے گھر میں خدا کی عبادت کریں، اعلانیہ طور پر نماز نہ پڑھیں، با آواز بلند قرآن کی تلاوت نہ کریں، اس سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ خطرہ بھی ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے کہیں اسلام کے فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔'' (نعوذ باللہ!)

ابن دغنہ، ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ سب کہہ کر واپس چلے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگے۔

چند روز کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی۔ اس میں نماز پڑھتے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے۔ قریش کے بچے اور عورتیں ان پر ٹوٹے پڑتے اور تعجب سے لگاتار ٹکٹکی باندھے انھیں نماز پڑھتے اور تلاوت کرتے دیکھتے رہتے۔ ہر ایک کی نظر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہوتی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے بہت رونے والے تھے۔ تلاوتِ قرآن کریم کے وقت اپنی آنکھوں پر قابو نہ پا سکتے تھے۔ ہزار کوشش کریں تب بھی آنکھوں سے آنسو بہہ جاتے تھے۔ قریش کے سرداروں نے جب یہ حال دیکھا تو گھبرا گئے اور فوراً ہی ابن دغنہ کو بلا بھیجا اور اُن سے شکایت کی:

''ہم نے ابوبکر کو آپ کے کہنے سے اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں خفیہ طور پر خدا کی عبادت کریں گے، اعلانیہ طور پر خدا کی عبادت نہیں کریں گے اور اعلانیہ طور پر نماز اور قرآن نہیں پڑھیں گے۔ ابوبکر نے شرط کے خلاف علی الاعلان نماز اور قرآن پڑھنا شروع کر دیا ہے، جس سے ہمیں اپنے بچوں اور عورتوں کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ آپ ابوبکر سے کہہ دیں کہ اپنی شرط پر قائم رہیں یا آپ کی پناہ کو واپس کر دیں، ہم آپ کی پناہ توڑنا نہیں چاہتے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''میں تمھاری پناہ واپس کرتا ہوں اور صرف اللہ تعالیٰ کی امان اور پناہ پر راضی ہوں۔''

.....(جاری ہے).....

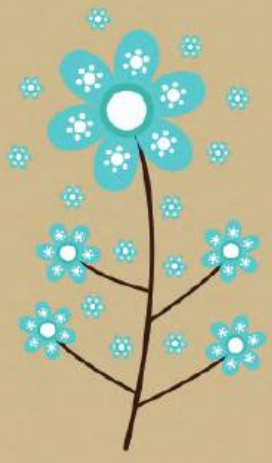

۱۵۷

بلاعنوان

محمد احمد رضا انصاری۔ کوٹ ادّو

باسط نے موبائل پر فیس بک کھولی کی تو اُس کی ٹائم لائن پر سب سے اوپر شہزاد کی نئی پوسٹ موجود تھی۔ موصوف کی نئی کہانی اس ماہ کے کسی رسالے میں چھپی تھی۔ شہزاد کی کہانی دیکھتے ہی باسط کے منہ میں کڑواہٹ سی آ گئی۔ محض گھنٹے بھر میں شہزاد کی کہانی پر سو (۱۰۰) سے زائد لائکس اور پچاس (۵۰) کمنٹس آ گئے تھے۔ کمنٹس میں یقیناً مبارک باد اور تعریفی کلمات کی بھر مار ہی ہوتی تھی۔

باسط نے انگلی اسکرین پر پھیری اور کسی ردِعمل کے بغیر آگے چلا گیا۔ اس کے اندر حسد کی چنگاریاں پھر سے بھڑک اٹھی تھیں اور ایسی چنگاریاں فقط شہزاد کی کہانیاں دیکھ کر ہی اس کے اندر اُٹھتی تھیں۔

بہت کم عرصے میں شہزاد بچوں کا مشہور و معروف ادیب بن چکا تھا۔ اسے مختلف رسائل کی جانب سے اعزازی اسناد اور چند ایوارڈز بھی مل چکے تھے۔ شہزاد کی دن بدن بڑھتی مقبولیت دیکھ کر باسط جل بھن سا جاتا تھا۔

”کہانیاں لکھنا کون سا مشکل کام ہے۔ یہ بچوں کا کھیل ہے اور میرے بائیں ہاتھ کا کام۔“ ایک دن اس نے شہزاد کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

شہزاد، باسط کا چچا زاد بھائی تھا۔ دونوں کے گھر ساتھ ساتھ تھے۔ باسط فرسٹ ائیر اور شہزاد میٹرک کا طالب علم تھا۔ شہزاد، باسط سے ایک سال پیچھے تھا، لیکن پھر بھی اس کا علم باسط سے کئی گنا بڑھ کر تھا۔ خاندان میں اس کی قابلیت کا ڈنکا بجتا تھا اور شہزاد سے جلنے کے لیے باسط کے پاس صرف یہی وجہ کافی تھی۔

”اگر لکھنا اتنا ہی آسان ہے تو آپ بھی لکھیں۔“ شہزاد اُس کی بات سن کر مسکرا دیا اور اُس نے باسط کو بھی لکھنے کا مشورہ دے ڈالا۔

باسط کو شہزاد کی مسکراہٹ طنزیہ لگی اور اُس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

”ہاں ہاں، تم کون سا خود لکھتے ہو۔ دوسروں کے لکھے پر ہاتھ صاف کرتے ہو۔ سب جانتا ہوں میں۔“ باسط غرایا۔

”کیا مطلب! میں کچھ سمجھا نہیں! آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“ شہزاد کو اُس کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

”یہی کہ تم پرانے رسالوں اور کتابوں سے نقل کر کے وہی کہانیاں اپنے نام

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا جائے گا۔ ”بلاعنوان“ کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 30 ستمبر 2020 ہے۔
نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابل قبول نہ ہوگا۔

سے شائع کرواتے ہو۔ یہ تمھاری اپنی محنت تھوڑی ہوتی ہے۔ بڑا آیا لکھاری! ہونہہ!'' باسط نے اس پر شرم ناک الزام عائد کیا۔ اس کے اندر کی کڑواہٹ کو آج باہر نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔

شہزاد اُس کی باتوں پر افسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے اپنے چچیرے بھائی کا یہ روپ پہلی بار دیکھنے کو ملا تھا۔ باسط اندر ہی اندر اُس سے جلتا تو بہت تھا، لیکن اس نے کبھی برملا اپنی جلن کا اظہار نہیں کیا تھا۔

''اگر آپ سچے ہیں تو پھر کوئی ثبوت لائیں؟'' شہزاد نے اسے چیلنج کیا۔

باسط پہلو بدل کر رہ گیا اور تن فن کرتا وہاں سے چلا آیا۔

.....☆.....

اس دن کے بعد سے باسط نے خود سے تہیا کر لیا کہ وہ بھی لکھے گا اور خاندان میں اسے بھی خوب پذیرائی حاصل ہوگی۔ لوگوں کی زبانوں پر اُس کی بھی تعریفیں ہوں گی۔ خود لکھ کر شہزاد کو نیچا دکھانا اس کا مقصد بن چکا تھا۔ اب وہ دن رات کاغذ قلم لیے بیٹھا رہتا۔ چند سطریں لکھتا، پھر کاٹ دیتا۔ پھر کچھ دماغ میں آتا، پھر لکھنے لگ جاتا، لیکن اس پر بھی لکیر مار دیتا۔ اس سے کچھ لکھا ہی نہیں جاتا تھا۔ اپنی ناکامی پر وہ جھنجلا سا جاتا اور کاغذ قلم ایک طرف رکھ کر موبائل اٹھا لیتا۔ کچھ دنوں بعد جب شہزاد کی نئی کہانی اس کی نظروں سے گزری تو باسط پر دوبارہ لکھنے کا بھوت سوار ہو گیا، لیکن لاکھ کوششوں کے باوجود وہ ایک لفظ تک نہ لکھ سکا۔

''جب شہزاد نقل کرتا ہے تو میں کیوں ایویں اپنا دماغ خرچ کروں۔ میرے پاس بھی یہ راستہ موجود ہے۔'' ایک دن اس نے مکاری سے سوچا۔

باسط اولڈ بک سینٹر پہنچا اور دس پندرہ سال پرانے بچوں کے مختلف رسائل ڈھونڈ لایا۔

انھی رسائل میں سے اس نے ایک کہانی منتخب کی اور نقل کر کے من وعن ماہ نامہ ''دھنک رنگ'' میں بھیج دی۔ شہزاد کی سب سے زیادہ کہانیاں اسی ماہ نامے میں چھپتی تھیں اور باسط کے ابو نے دھنک رنگ گھر پر لگوا رکھا تھا۔ ہاکر ہر مہینے ان کے گھر رسالہ دے جاتا تھا۔ کہانی بھیج کر باسط بے صبری سے دن گننے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہانی جلد رسالے میں لگے، تاکہ اسے شہزاد کو جلانے اور خاندان میں اپنی تعریف کروانے کا سنہری موقع مل سکے۔ ایک ماہ گزر گیا۔ نیا شمارہ آیا تو باسط اس دن گھر پر ہی تھا۔ ہاکر نے رسالہ گھر کے اندر ڈالا تو سب سے پہلے باسط اس پر جھپٹا۔

اس نے جلدی جلدی صفحات پلٹے۔ فہرست میں اس کا نام شامل نہیں تھا، جب کہ شہزاد کی کہانی رسالے میں جلوہ افروز تھی۔ شہزاد کی کہانی دیکھتے ہی باسط نے رسالہ خود سے یوں دور کیا جیسے اس میں اچانک ببول کے کانٹے اُگ آئے ہوں۔ اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات منجمد ہو گئے اور پھر پورے مہینے سب لوگوں کی زبان پر شہزاد کی کہانی ''مریخ کی مخلوق'' کا ذکر رہا۔ باسط کے ابو کو کہانی اتنی پسند آئی کہ انھوں نے شہزاد کو بلا کر اُس کی حوصلہ افزائی کے لیے ۵۰۰ روپے انعام بھی دیا۔ باسط وہیں کھڑا تھا۔ بظاہر تو وہ مسکرا رہا تھا، لیکن اس کے اندر ہی اندر سانپ لوٹ رہے تھے۔

.....☆.....

اگلے مہینے رسالہ آیا تو اِس بار باسط کی کہانی شاملِ اشاعت تھی۔ اس نے فخر سے سب گھر والوں کو بتایا کہ دھنک رنگ میں اس کی کہانی چھپی ہے۔ سب لوگ حیرت و استعجاب سے اس کا نام بار بار رسالے میں دیکھ رہے تھے۔

''تم نے کب لکھی کہانی۔ کہانی بھیج بھی دی اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی؟'' شہروز بھیا کا لہجہ شک سے لبریز تھا۔

''ارے، تم اپنے مشکوک خیالات اپنے پاس رکھو۔ میرے لاڈلے کا نام آیا ہے رسالے میں، میں تو پورے خاندان اور آس پڑوس میں مٹھائی بانٹوں گی۔''

امی جان نے پہلے خفگی سے بھیا کو گھورا، پھر باسط کے صدقے واری ہو کر اپنے ارادے کا پُرمسرت انداز میں اظہار کیا۔

''ہاں بھئی، ضرور بانٹنا۔'' ابو جان نے مسکراتے ہوئے تائید کی اور رسالہ کھول کر باسط کی کہانی پڑھنے میں منہمک ہو گئے۔ باسط کا سر آپ ہی آپ اونچا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ فرضی کالر چڑھائے سب گھر والوں کے سامنے اپنے مزید قلمی جوہر دکھانے کے بلند بانگ دعوے کرنے میں مصروف تھا۔ اسی دن شام کو خاندان کے آدھے لوگ ان کے گھر جمع تھے۔ امی ابو نے انھیں باسط کی کہانی چھپنے پر شام کی چائے پر بلایا تھا۔ سب لوگ دسترخوان پر موجود تھے۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ دھنک رنگ کا شمارہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جا رہا تھا اور باسط کی کہانی پر تعریف و توصیف بھرے کلمات بڑی فراخ دلی سے کہے جا رہے تھے۔ باسط مسکراتے ہوئے فرداً فرداً سب سے مبارک باد وصول کر رہا تھا۔

''واہ، ماشاءاللہ! باسط میاں! کیا عمدہ اسلوب اپنایا تم نے۔ برجستہ اور دِل چسپ مکالمے۔ تحریر میں زبردست روانی۔ کمال کر دیا پہلی ہی بار!'' یہ باسط کے منجھلے ماموں تھے، جو کہانی کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔

''اور اِتنی ثقیل اردو مرزا غالب کے دور کی۔ مجھے تو کئی الفاظ کے معنی

بھی سمجھ میں نہیں آئے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ تمھاری اردو اِتنی عمدہ ہے۔'' سلیم پھوپھا ہنسے اور ہاتھ بڑھا کر پانچواں سموسا اپنے منہ میں ڈالنے لگے۔

''ہاں، ہاں، بالکل ایسا ہی ہے، مجھے خود بہت مشکل ہوئی کہانی پڑھتے ہوئے۔'' سلیم پھوپھا کی بیٹی فرشین نے باپ کی ہاں میں ہاں ملانا فرض اولین سمجھا۔

''مجھے تو یوں لگا جیسے کسی منجھے ہوئے لکھاری کی کہانی پڑھ رہا ہوں۔ منظر نگاری مجھے بہت بھائی۔ محنت جاری رکھنا اور بچوں کے ادب کو مزید ایسی ہی لازوال کہانیاں دینا۔'' اسلم خالو نے بھی آخر لب کشائی کر ہی لی۔ وہ اردو کے پروفیسر تھے اور اِتنی جلدی کسی کے لکھے کو سراہتے نہ تھے۔ باسط خوش قسمت ٹھہرا تھا جو اُنھیں متاثر کرنے میں کام یاب ہوگیا تھا۔ باسط نے کورنش بجا کر اُن کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے اس انداز پر سب مسکرا اُٹھے۔

''ہمارے خاندان میں اب ایک نہیں، دو لکھاری ہیں۔ شہزاد کے بعد اَب ہمارے باسط کا بھی جگ میں ڈنکا بجے گا۔'' شہناز پھوپھو نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے اپنے خیال کا اظہار کیا، جس پر سب لوگوں نے زور و شور سے سر ہلایا۔ شہزاد بھی اسی محفل کا حصہ تھا، لیکن وہ بس خاموش تماشائی بنا سب کی باتیں سُن رہا تھا۔ وہ اس موقع پر باسط کی چوری کا بتا کر اُسے سب لوگوں کی نظروں میں شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ شہزاد تو کہانی کا ایک پیراگراف پڑھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ کہانی باسط نے نہیں لکھی، بل کہ ملک کے ایک مشہور جانے مانے مصنف سے سرقہ کی ہے۔ وہ دانستہ خاموش بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد یہ محفل برخاست ہوگئی اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

.....☆.....

مئی کا مہینا شروع ہوا تو باسط کو دھنک رنگ کے نئے شمارے کا انتظار تھا۔ وہ اپنی کہانی پر آئے قارئین کے تبصرے پڑھنے کے لیے حد درجے بے تاب تھا۔ تین تاریخ کی صبح ہاکر اخبار کے ساتھ رسالہ دے گیا اور اُس دن بھی رسالہ سب سے پہلے باسط نے ہی اٹھایا۔ وہ جلدی جلدی ورق گردانی کرنے لگا اور پھر ایک صفحہ دیکھ کر اُس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اسی پل پیچھے سے ابو جان کی آواز سنائی دی:

''رسالہ اور اخبار میرے کمرے میں لے آؤ۔''

باسط کا چہرہ مزید متغیر ہوگیا۔ ابو تو چلے گئے، لیکن باسط اپنی جگہ متذبذب سا کھڑا رہا۔ رسالے کا وہ صفحہ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا اور صفحے کی عبارت اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ چار دِن کی چاندنی کہیں یا ایک دن کی بادشاہت۔ بہرحال باسط کی چوری پکڑی گئی تھی اور اصل مصنف کی کہانی کے عکس کے ساتھ تحریر تھا کہ

''دھنک رنگ کے اپریل کے شمارے میں لگنے والی کہانی: زندگی بے بندگی شرمندگی'' باسط رضوان نے سرقہ کی تھی۔ کہانی کے اصل مصنف فرحان ذیشان ہیں، جن کی کہانی کا عکس آپ دیکھ سکتے ہیں۔ باسط رضوان کو ایک سال کے لیے بلیک لسٹ کیا جا رہا ہے۔ ہم اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔''

اس مختصر سی تحریر نے باسط کو لمحوں میں آسمان سے زمین پر دے مارا تھا۔ وہ شش و پنج میں مبتلا جوں کا توں کھڑا اپنی غلطی پر پشیمان تھا۔ اس کی قلعی کھلنے والی تھی اور آگے ہونے والے سلوک کا سوچ کر ہی اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

اور پھر جس نے بھی رسالے میں وہ اعتذار دیکھا، حیران رہ گیا۔ جو لوگ ایک مہینا پہلے باسط کی تعریفوں میں پل باندھتے نہ تھکتے تھے اور اُس کی لکھی کہانی کی توصیف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں کوشاں تھے، آج وہی لوگ باسط کو طنز و تشنیع کا نشانہ بنا رہے تھے۔

باسط کے گھر والے اپنی جگہ الگ لوگوں سے شرمندہ تھے۔

جس جس کو باسط کی کہانی کے نقل شدہ ہونے کا علم سب نے خوب مذاق اڑایا۔ شہزاد کو نیچا دکھانے کے چکر میں وہ خود گڑھے میں گر پڑا تھا۔

ایک شام باسط، شہزاد کے گھر آیا تو شہزاد کے ابو جان نے باسط کو ساتھ بٹھایا اور پیار سے سمجھانے لگے کہ لکھنا ایک قدرتی صلاحیت ہوتی ہے، جو ربِ کریم کی عطا ہے۔ ادبی کتب اور رَسائل کا مطالعہ کر کے اس صلاحیت میں نکھار آتا ہے۔ اگر آپ کو لکھنے کا شوق ہے تو پہلے خوب مطالعہ کرو۔ ایک نہ ایک دن آپ بھی اپنی طبع زاد کہانیاں لکھنے کے قابل ہو جاؤ گے اور یاد رکھو، دوسروں کی محنت پر کبھی بھی اپنی کام یابی کا جھنڈا نہ گاڑو اور حسد سے حتی الامکان بچو۔ حسد، دنیا میں بھی شرمندہ کرواتا ہے اور آخرت میں بھی نقصان پہنچاتا ہے۔''

باسط چپ چاپ بیٹھا چچا جان کی باتیں بغور سُن رہا تھا اور اُن کی ایک ایک بات اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ حسد سے بچ کر اُسے اِن اَن مول باتوں پر عمل پیرا ہونا تھا اور ایک مشہور لکھاری بننا تھا۔

شہزاد سے اپنے خراب رویے کی معافی مانگ کر باسط اپنے آپ کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

پھول گوبھی

سعد علی چھیپا۔ کراچی

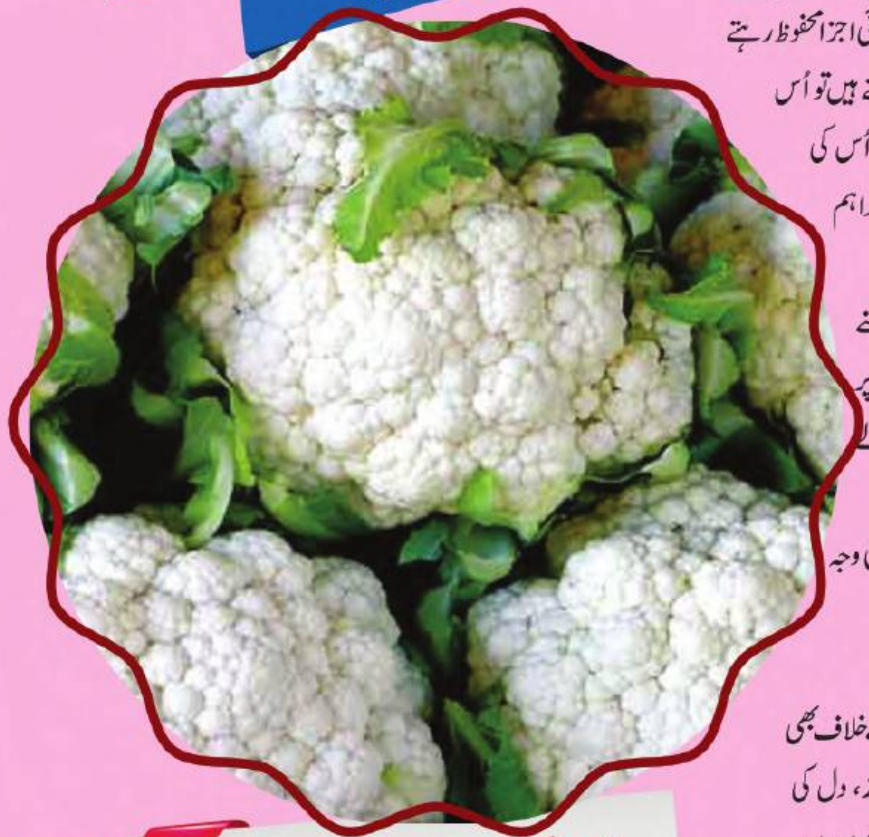

پھلوں اور سبزیوں میں بہت سے طبی فوائد چھپے ہوتے ہیں، جو مختلف بیماریوں سے بچانے کے ساتھ ساتھ جسم کو طاقت اور توانائی بھی مہیا کرتے ہیں۔ پھول گوبھی کا شمار بھی اُن سبزیوں میں ہوتا ہے جنھیں صدیوں سے انتہائی فائدے مند مانا جاتا ہے۔

پھول گوبھی میں موجود وٹامن اے، وٹامن سی، وٹامن کے، وٹامن بی۔6، وٹامن ای، کیلشیم، آئرن اور فاسفورس کی وافر مقدار نہ صرف بیماریوں سے بچاؤ، بل کہ جسمانی قوت کے لیے بھی نہایت سودمند ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ گوبھی کے صحت بخش اثرات سے مستفید ہونے کے لیے ہمیں اس کے ڈنٹھل اور پتوں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، جب کہ تیل اور گھی میں پکانے کے بجائے اسے کچی حالت میں، بھاپ پر نرم کرکے یا پانی میں اُبال کر کھانا چاہیے، کیوں کہ ان صورتوں میں اس کے مفید قدرتی غذائی اجزا محفوظ رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں، اگر آپ گوبھی کو سلاد کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں تو اُس میں زیتون کے تیل کی معمولی مقدار بھی شامل کی جاسکتی ہے جو اُس کی افادیت کو اور بھی بڑھا دے گی۔ یہاں ہم آپ کو پھول گوبھی کے چند اہم ترین فوائد سے روشناس کروائیں گے۔

☆ پھول گوبھی سینے، جگر، آنت، پیٹ اور دیگر اقسام کے کینسر کو روکنے میں معاون کردار ادا کرتی ہے۔ پھول گوبی کینسر کے جراثیموں پر اثر انداز ہوکر اُن کی نشوونما کو روکتی ہے اور کینسر کی وجہ بننے والے خطرناک کیمیکلز کے مضر اثرات کو کم کرتی ہے۔

☆ پھول گوبھی میں فائبر (ریشہ) کی اچھی خاصی تعداد پائی جانے کی وجہ سے یہ وزن گھٹانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

☆ پھول گوبھی جسم میں ہارمونز کو متوازن رکھتی ہے۔

☆ پھول گوبھی فالج، دل کے دورے، دماغی امراض اور ذیابیطس کے خلاف بھی مؤثر ہے۔ اس میں موجود وٹامن اور اومیگا تھری فیٹی ایسڈز، دل کی شریانوں اور خون کی رگوں میں آنے والی رکاوٹ کو دُور رکھتے ہیں اور کولیسٹرول کو کم کرکے اسٹروک جیسے جان لیوا حملے سے محفوظ رکھتے ہیں۔

☆ پھول گوبھی میں پیٹ کے السر کی روک تھام اور شفایابی کے اجزا پائے جاتے ہیں۔

☆ پھول گوبھی میں موجود سلفر جلدی امراض سے تحفظ فراہم کرکے دانوں کو ختم کرتا ہے اور جلد کو چمک دار اور پُرکشش بناتا ہے۔

☆ پھول گوبھی میں موجود اینٹی آکسیڈنٹس اور دیگر اجزا جسم میں فری ریڈیکلز کو روکتے ہیں اور جلن کو کم کرتے ہیں۔

☆ پھول گوبھی میں موجود سلفروفین اور بیٹا کروٹین آنکھوں کے نازک حصوں کی حفاظت کرتے ہیں اور بڑھتی عمر میں ہونے والے آنکھوں کے مسائل، مثلاً نابینا پن اور موتیا وغیرہ کو ختم کرتے ہیں۔

تمام قارئین کرام سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کسی بھی سبزی کے فوائد پڑھ کر اسے زیادہ نہ کھائیں، بل کہ اس کا استعمال اعتدال سے کریں اور اگر آپ کو کوئی خاص بیماری ہے تو اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کرکے کوئی بھی سبزی استعمال کریں۔

گمنام ہیرو

ش۔م۔دانش۔پائی خیل

''تازہ سبزی لے لو، تازہ سبزی لے لو۔''

کراچی کے مکین ابھی گہری نیند سو رہے تھے جب بازار میں یہ صدا بلند ہوئی، اس آواز کے ساتھ ایک اور آواز ''کھٹ کھٹ'' کی بھی سنائی دے رہی تھی۔ یہ ایک ادھیڑ عمر سبزی فروش تھا جو سورج طلوع ہوتے ہی سبزی کی ریڑھی لے کر بازار میں پہنچ گیا تھا۔ کھٹ کھٹ کی آواز اُس کی لکڑی کی بنی ہوئی ٹانگ کی تھی۔

اگرچہ اسے معلوم تھا کہ ابھی اس کے گاہک نہیں جاگے ہوں گے، لیکن یہ اس کا معمول تھا کہ وہ صبح سویرے ہی سبزی کی ریڑھی لے کر بازار پہنچ جاتا اور پھر گاہکوں کا انتظار کرنے لگتا۔

آج بھی اس نے اپنی سبزی کی ریڑھی ایک بند دُکان کے سامنے کھڑی کی اور ایک ہاتھ میں پکڑی ہوئی بیساکھی، ریڑھی کے نیچے بنی ہوئی جگہ میں رکھ دی اور ''تازہ سبزی لے لو'' کی آواز لگانے لگا۔ اس کی سبزی چوں کہ بالکل تازہ ہوتی تھی، اس لیے گاہک خود ہی اس سے سبزی خریدنا پسند کرتے تھے، اسے صرف ان کے جاگنے کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔

اکثر گاہک اس سے پوچھتے تھے کہ جب اسے پتا ہے کہ گاہک دیر سے جاگتے ہیں تو وہ اتنی جلدی کیوں سبزی لے کر آجاتا ہے؟

''مجھے پاکستان سے محبت ہے، اس لیے صبح سویرے آجاتا ہوں۔'' اس کا جواب عجیب ہوتا تھا۔

آج وہ سر جھکائے کسی سوچ میں گم تھا۔

''بابا! ایک کلو بھنڈی دینا۔'' اس کے پہلے گاہک نے جب آکر اُسے آواز دی تو وہ چونکا اور خیالات کی دنیا سے واپس آگیا۔

''یہ ٹانگ کسی حادثے میں کٹی تھی بابا؟'' گاہک نے سبزی کا شاپر ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

''اللہ تعالیٰ کی مصلحتیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے بیٹا!'' اس نے جواب دیا۔

''کیا مطلب ہوا اِس بات کا بابا؟'' گاہک الجھ کر رہ گیا۔

''کچھ باتوں کا مطلب نہیں ہوا کرتا، بہرحال وہ حادثہ نہیں تھا۔'' بابا نے اسے اور اُلجھا دیا۔ گاہک سمجھ گیا کہ بابا بتانا نہیں چاہتا۔

سورج طلوع ہونے کے بعد چار، پانچ گاہک اور آئے اور پھر وہ دکان دار بھی آگیا جس کی بند دکان کے سامنے اس نے ریڑھی لگائی ہوئی تھی۔

''کیا مصیبت ہے بابا!؟ ہمارے گاہک خراب کرنے کے لیے دکان کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہو۔ اتنے بڑے بازار میں صرف میری دکان ہی نظر آتی ہے تمھیں؟'' دکان دار نے دکان کا تالا کھولنے کے بعد اُس کی طرف آتے ہوئے کہا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا، لیکن پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔

''اب کھڑے کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو؟ جان چھوڑ بھی دو میری۔'' دکان دار نے پھنکارتے ہوئے کہا اور اُس نے خاموشی سے اپنی بیساکھی ریڑھی کے نچلے خانے سے اٹھائی اور اُس کے سہارے ریڑھی دھکیلتا ہوا وہاں سے چل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔

وہ بازار سے باہر نکل آیا اور ریڑھی کو ایک سایہ دار درخت کے سائے میں روک دیا۔ آنسو اُس کی آنکھوں کے

کناروں سے نیچے ڈھلک آئے تھے، اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے اور اِن آنسوؤں کے پس منظر میں اسے ایک اور منظر نظر آنے لگا۔ اس نے آنکھیں موند لیں کہ شاید یہ منظر آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جائے، لیکن منظر مزید واضح ہوتا چلا گیا۔ اس نے اپنے کانوں میں بھی انگلیاں ٹھونس لیں۔

.....☆.....

ہر طرف افراتفری کا عالم تھا، کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ چاروں طرف لاشیں بکھری ہوئی تھیں، ہر سمت سے گولیوں، بموں اور مارٹر توپوں کے گولوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یہ ۶ ستمبر کا دن تھا، بزدل دشمن نے رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر پاکستان کی سرحدوں پر حملہ کر دیا تھا، لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ پاکستان کے رکھوالے رات کی تاریکی میں بھی بیدار ہیں اور وہ بھارتی فوج کے لیے تر نوالہ نہیں، بل کہ لوہے کے چنے ثابت ہوں گے۔ اکثر جگہ دشمن کو فوراً ہی منہ کی کھانی پڑی، لیکن کچھ جگہوں پر وہ اپنی زیادہ نفری کے بل پر تھوڑا بہت آگے آنے میں کام یاب ہو گیا۔

سپاہی محمد اکرام بھی ایسی ہی جگہ موجود تھا جہاں پاکستانی فوج کی نفری نہ ہونے کے برابر تھی، جب کہ بھارتی فوج کا پورا ٹڈی دَل حملہ کرنے آ گیا تھا۔ حملہ آور فوج کے پاس پورے دو بریگیڈ تھے، جب کہ حملہ روکنے والوں کی تعداد ایک پلاٹون سے بھی کم تھی۔ تعداد اور ہتھیاروں کے حوالے سے دیکھا جاتا تو یہ مٹھی بھر جوان صرف چند لمحوں میں ڈھیر ہو جاتے، لیکن یہ تعداد یا ہتھیاروں کی جنگ نہیں، بل کہ جذبے اور ایمان کی جنگ تھی۔ پاکستانی جوانوں کے پاس ایمان کی طاقت تھی، جو دشمن کے پاس نہیں تھی۔ ان کے دلوں میں اپنے وطن کی آن پر مِٹ جانے کا جذبہ تھا، جو دشمن کے دلوں میں مفقود تھا۔ پاک فوج کی یہ پلاٹون سیسہ پلائی دیوار بن گئی اور اُس نے دشمن کا حملہ اپنے سینوں پر روک لیا۔ چوں کہ ان کے پاس اسلحے کی کمی تھی، اس لیے انھوں نے وائرلیس کے ذریعے اپنے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ کرنا چاہا، لیکن وائرلیس میں خرابی کی وجہ سے بروقت رابطہ نہ ہو سکا۔

اب لیفٹیننٹ محمد صدیق کے لیے کافی مشکل صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے پاس نفری پہلے ہی کم تھی، لیکن اب اسے ایک جوان پچھلی چوکی کی طرف بھی بھیجنا تھا، تاکہ اسلحہ بروقت پہنچ سکے۔ اگر اسلحہ نہ پہنچتا تو آخر کار وہ سب شہید ہو جاتے اور دشمن آگے پہنچ جاتا اور اگر کسی جوان کو اُس کی جگہ سے ہٹایا جاتا تو یہ بھی ان کے لیے خطرناک تھا، کیوں کہ ان کی تعداد پہلے ہی کم تھی۔

وہ ابھی اسی سوچ بچار میں تھا کہ اچانک سپاہی محمد اکرام اس کے مورچے میں داخل ہوا:

''سر! ہمارے پاس اسلحہ بہت کم رہ گیا ہے اور وائرلیس پر پیچھے رابطہ نہیں ہو رہا۔'' اس نے سیلوٹ کرنے کے بعد کہا۔

''میں خود اسی پریشانی میں ہوں، ایسی نازک صورتِ حال میں ہم کسی کو بھی پیچھے نہیں بھیج سکتے۔'' لیفٹیننٹ محمد صدیق نے پریشانی سے کہا۔

''سر! اگر کسی کو نہ بھیجا گیا تو دشمن ہماری لاشیں پھلانگ کر آگے گزر جائے گا اور ہمارے ملک کے باسیوں کا خون ہمارے سر پر ہوگا۔'' سپاہی محمد اکرام نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''لیکن پیچھے جانے والے کی جگہ کون سنبھالے گا؟'' لیفٹیننٹ نے پریشانی سے کہا۔

''میں سنبھالوں گا سر! آپ میرے ساتھ موجود سپاہی راشد خان کو پیچھے بھیج دیں۔'' سپاہی محمد اکرام نے مضبوط لہجے میں کہا اور لیفٹیننٹ اسے رشک کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد سپاہی محمد اکرام کے ساتھ والا سپاہی پچھلی چوکی کی طرف روانہ ہو چکا تھا اور سپاہی محمد اکرام نے اب اس کی اور اپنی جگہ سنبھالی ہوئی تھی۔

وہ کبھی اپنی مشین گن سنبھالتا اور کبھی مارٹر توپ سنبھال لیتا۔ وہ بہت جوش اور جذبے سے لڑ رہا تھا اور کئی بھارتی سورماؤں کو جہنم واصل کر چکا تھا۔

اچانک فائر کرتے کرتے مارٹر کے گولے ختم ہو گئے اور اُس نے بڑی مشین گن سے دشمن پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ کچھ دیر بعد مشین گن کی گولیاں بھی ختم ہو گئیں۔ ہیڈ کوارٹر سے اسلحہ پہنچنے میں ابھی کافی وقت باقی تھا۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور اپنے ایک شہید ساتھی کی ہلکی مشین گن اٹھا لی۔ تھوڑی دیر بعد وہ مورچے سے باہر آ گیا اور تاک تاک کر دشمن فوجیوں کو نشانہ بنانے لگا۔ ڈرپوک دشمن آگے بڑھنے سے ڈر رہا تھا، اس نے ٹینکوں اور مارٹر توپوں سے گولے برسانے شروع کر دیے۔

اچانک ایک مارٹر توپ کا گولا سپاہی محمد اکرام کے پاس آ کر گرا اور اُس کا ایک ٹکڑا اُڑ کر اُس کی ٹانگ پر آ لگا اور وہ جھٹکا کھا کر گر پڑا، لیکن اس نے مشین گن نہ چھوڑی اور وہیں لیٹے لیٹے دشمن پر فائر کرتا رہا۔ دشمن نے آگے آنے کی آخری کوشش کی، لیکن پاک فوج کے جوانوں نے اپنی

بقیہ صفحہ نمبر: ۳۹

ٹکر خاصی زوردار تھی۔ تنزیل کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا اور کئی تارے اس کے دماغ میں چکرا گئے۔ جب اس کے اوسان بحال ہوئے تو اُس نے اپنے آپ کو فٹ پاتھ پر پڑا ہوا پایا۔ اس کے منہ سے کراہیں اور سسکیاں نکل رہی تھیں۔ یہ ٹکراؤ کسی انسان یا گاڑی سے نہیں، بل کہ ایک کھمبے سے ہوا تھا۔ بے خیالی میں وہ فٹ پاتھ کے درمیان آئے کھمبے سے پوری رفتار سے ٹکرا گیا تھا۔ اس میں سارا قصور اس کا اپنا ہی تھا۔ وہ چلتے ہوئے سامنے دھیان رکھنے کے بجائے ادھر ادھر دیکھ کر چلتا تھا اور نتیجۃً اکثر تنزیل کو اِسی قسم کی تکالیف اٹھانی پڑتی تھیں۔ اس نے آس پاس نظر دوڑائی، یہ ایک سنسان سڑک تھی، کسی نے اسے گرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، ورنہ کوئی نہ کوئی اسے اٹھانے پہنچ گیا ہوتا۔ چار و ناچار وہ خود ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ سر پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا اور ماتھے پر ایک گومڑ اُبھر آیا تھا۔ تنزیل بُرے بُرے منہ بناتا گھر کی جانب چل دیا۔

☆......☆......☆

''یہ کیا ہوا تنزیل! کسی سے جھگڑا ہوا ہے کیا؟'' گھر میں داخل ہوتے ہی امی جان کی نظر اُس کے گومڑ پر پڑی تو وہ پریشان ہو گئیں۔

''نہیں۔'' وہ روہنسا ہو کر بولا۔

''کسی چیز کو دیکھنے میں لگا ہوگا آپ کا لاڈلا، دیکھ بھال کر تو چلتا نہیں۔'' شازیہ آپی نے ٹھیک اندازہ لگایا۔

تنزیل نظریں جھکا کر رہ گیا۔ ''ادھر آؤ، درد ہو رہا ہوگا؟'' امی اسے باورچی خانے میں لے آئیں اور ایک کپڑا آگ سے گرم کر کے گومڑ کی ٹکور کرنے لگی۔ تنزیل کو افاقہ ہوا، کچھ دیر بعد درد کی شدت میں خاصی کمی ہو گئی تھی۔ امی جان ٹکور کے ساتھ ساتھ اسے سمجھانے میں بھی مصروف تھیں: ''آتے جاتے گلی یا سڑک پر احتیاط کیا کرو۔ اگر خدانخواستہ کسی بڑے نقصان سے دوچار ہو گئے تو؟''

امی جان کا سوالیہ لہجہ تنزیل کو کافی کچھ سمجھا گیا۔ اس نے گزشتہ مرتبہ کی طرح اس دفعہ بھی اثبات میں سر ہلا کر وعدہ کیا کہ آئندہ وہ احتیاط کرے گا اور ایسی غلطی نہیں کرے گا۔

☆......☆......☆

تھپڑ رخسار پر پڑتے ہی اس لڑکے کی کان پھاڑ دینے والی آواز بھی تنزیل کی سماعتوں پر کسی ایٹم بم کی مانند پڑی تھی۔

''اندھے ہو گیا، نظر نہیں آتا، میرا قیمتی موبائل گرا دیا۔ ٹھہرو، میں تمھیں ایسا سبق سکھاتا ہوں کہ آئندہ کسی کا اتنا نقصان کرنے کا تم سوچو گے بھی نہیں تم!'' نیلی قمیص والا لڑکا منہ سے جھاگ نکالتا ہوا دوبارہ اس پر چڑھ دوڑا۔

تنزیل ابھی پہلا تھپڑ بھی ٹھیک سے ہضم نہیں کر پایا تھا کہ دوبارہ اسے اپنی جانب جارحانہ انداز میں لپکتے دیکھ کر خوف سے اپنی جگہ گنگ کھڑا رہ گیا۔ بھاگنے کی کوشش کی، لیکن پاؤں زمین پر کسی مقناطیس کی طرح چپک گئے تھے۔ نیلی شرٹ والے نے دوبارہ اس پر تھپڑوں اور مکوں کی بارش کر دی۔

تنزیل زمین پر گر پڑا تھا۔ تکلیف کے مارے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اچانک ایک بزرگ وہاں پہنچے اور لڑکے کو مارنے سے روکنے لگے۔

اندھے ہو گیا!

سمیر ریسم۔ کوٹ اڈو

''چاچا آپ ایک طرف ہو جاؤ۔ آپ نہیں جانتے کہ اس کی وجہ سے میرا کتنا مہنگا موبائل فون خراب ہو گیا ہے، وہ دیکھیں۔'' لڑکے نے غصے سے سڑک پر گرے ٹچ اسکرین موبائل کی جانب اشارہ کیا۔

ٹوٹا پھوٹا موبائل کسی لاوارث لاش کی طرح سڑک پر پڑا اپنی آخری سانسیں لے کر دم توڑ چکا تھا۔

''بیٹا! تم رونا بند کرو اور کھڑے ہو کر کپڑوں سے مٹی صاف کرو۔ تمھاری امی یہ نہ سمجھ لیں کہ تم کسی سے لڑائی کر کے آئے ہو۔'' بابا نے تنزیل کو کھڑا ہونے کا کہا۔ وہ آنسو صاف کرتا ہوا جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ لڑکے کی مار سے اس کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔

''اور بیٹا! میں ادھر بیٹھا دیکھ رہا تھا۔'' بابا نے سڑک کے دوسرے

کنارے ایک دکان کی جانب انگلی سے اشارہ کیا۔

''جتنا قصور اِس بچے کا ہے اس سے زیادہ تمھارا ہے۔ اگر بچہ بے خیالی میں تم سے آ ٹکرایا تو تم کون سا دیکھ بھال کر سامنے راستے پر نظریں جمائے جا رہے تھے۔ تم بھی تو اس موئے مردود موبائل میں آنکھیں گھسائے چلے آ رہے تھے۔ تمھارا حق نہیں بنتا لڑکے کو اِس طرح بے دردی سے مارنے کا۔ جاؤ بیٹا! اپنے گھر جاؤ اور آئندہ ایسی غلطی مت کرنا۔'' بابا نے نیلی شرٹ والے لڑکے کی خوب کلاس لی اور تنزیل کو وہاں سے جانے کا کہا۔ تنزیل پنجرے سے نکلے توتے کی طرح فوراً وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا۔

تاریخی مار کھا کر جب تنزیل گھر پہنچا تو سامنے پلنگ پر نانا جان براجمان تھے۔ تنزیل اپنی چوٹوں سے اٹھتی ٹیسیں بھلا کر اُن سے ملنے لگا۔ اس کا چہرہ پھول کی مانند کھل اٹھا تھا۔ نانا جان ہمیشہ کی طرح شازیہ آپی اور اُس کے لیے ڈھیر سارے تحفے لائے تھے۔

تنزیل کے ماتھے پر ہلکا سا ابھار دیکھ کر اُنھوں نے امی جان سے پوچھا:

''فریدہ! یہ تنزیل کو چوٹ کیسے لگی؟''

''ابا! یہ کھمبے سے ٹکرا گیا تھا۔ پہلے تو اچھا خاصا بڑا گومڑ تھا، اب تو دب گیا ہے۔''

اسی لمحے نانا جان کی تیز نظروں نے اس کے منہ پر چھپے انگلیوں کے نشانات بھی دیکھ لیے۔

رات کو نانا جان نے تنزیل سے پوچھا:

''آج کیا کسی سے لڑائی ہوئی تھی؟''

''نہیں تو، آپ کو کس نے کہا؟'' تنزیل حیران ہوا۔

''تمھارے لال منہ اور اُس پر چھپی انگلیوں کے نشان نے۔''

یہ سن کر تنزیل نے دوپہر والا واقعہ انھیں سنا دیا۔

''دیکھو تنزیل! انسان ہمیشہ اپنی غلطیوں سے سیکھتا اور سبق حاصل کرتا ہے، لیکن تم اپنی سابقہ غلطیوں کو بُھلا کر پھر وہی کام کرنے لگ جاتے ہو۔ چلتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنا بُری بات ہے، سامنے دیکھ کر چلنا چاہیے اور یہ تو نبی کریم ﷺ کی سنت بھی ہے۔'' نانا جان حلاوت بھرے لہجے میں بولتے چلے گئے۔

تنزیل بنا پلک جھپکائے انھیں دیکھ رہا تھا۔ سنت مبارکہ کا سُن کر وہ پہلو بدل کر بولا:

''سنت!؟''

''ہاں، سنو، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ چلتے ہوئے ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے۔''

(السلسلة الصحيحة. الرقم: 2086)

اور پھر تنزیل نے کبھی بھی ان احادیث پاک کو دماغ سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ اب نہ اسے اجنبیوں سے مار پڑتی ہے، نہ اس کے کپڑے گرد آلود ہوتے ہیں اور نہ گھر میں شازیہ آپی اس کا مذاق اڑاتی ہیں۔ امی جان کی فکر بھی ختم ہو گئی ہے، کیوں کہ تنزیل چلتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنا چھوڑ چکا ہے۔

بچو! آپ نے تنزیل سے کچھ سیکھا؟

جگنو اور گائے

ڈاکٹر صفیہ سلطانہ صدیقی۔ کراچی

ایک بڑا ، اک چھوٹا جگنو
اک پتلا ، اک موٹا جگنو
وہ دونوں اک رات میں نکلے
بلب تھے گویا اُڑتے پھرتے
نور کے چھوٹے ٹکڑے جیسے
چاند کے روشن مکھڑے جیسے
مجبوروں کی نصرت کرتے
راتوں کو وہ اڑتے پھرتے
اک شب چیخی بھوری گائے
ہائے کوئی مدد کو آئے
وہ جنگلے میں ٹانگ پھنسائے
ڈرتی تھی کہ ٹوٹ نہ جائے
کیسے اپنی جان بچاؤں؟
کس سے مالک کو بلواؤں؟
رات بہت اندھیری ہے یہ
خاموشی بھی گہری ہے یہ
رب نے سن لی اس کی بات
دے دی دکھ سے اس کو نجات
بھیجے اس کے پاس وہ جگنو
پیارے پیارے یہ دو جگنو
وہ آئے تو روشنی آئی
گائے کو بھی دیا دکھائی
بھوری نے پھر عقل لڑائی
اور جنگلے سے جان چھڑائی
خالق نے کیا خوب بنائے
جگنو دیے کی مانند آئے
بولے جگنو: ”ہے احسان
روشنی دی ہے ، جس نے اڑان“
جگنو کا ہے یہ شکرانہ
اڑنا اڑانا ، راہ دکھانا
روشنی کر دیں اندھیاروں میں
خوشیاں بانٹیں دکھیاروں میں

تاریخی جھلکیاں

دل پھٹ گیا

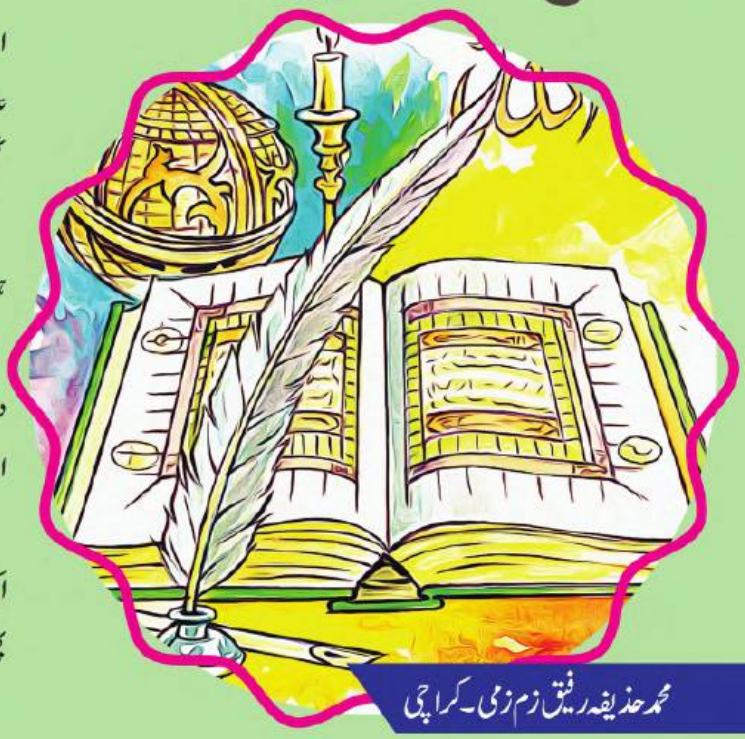

محمد حذیفہ رفیق زم زمی۔ کراچی

عمومی درس ختم ہوتے ہی مجمع منتشر ہونے لگا، تاہم چند مخصوص طلبہ کھسک کر شیخ کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر تک شیخ نے مختلف طلبہ سے حال احوال لیے اور کچھ نصیحت بھی فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث پڑھنے پڑھانے کا یہ حلقہ، مصر کی ایک جامع مسجد میں لگا ہوا تھا۔

کچھ دیر گزرنے کے بعد ایک نوجوان طالب علم نے آگے بڑھ کر کہا:

''استادِ محترم! ہماری یہ خواہش ہے کہ آپ نے اپنی مخصوص کاپی میں جنت اور جہنم کی کافی احادیث جمع فرمائی ہیں، آپ ہمیں وہ کاپی پڑھنے کے لیے عنایت فرمادیں۔ ہم آپ کے سامنے پڑھیں گے اور آپ سنیں گے۔ اس کے بعد آپ ہمیں ان احادیث کو آگے نقل کرنے کی اجازت دے دیجیے گا۔''

شیخ نوجوان کی بات سن کر ہلکا سا مسکرا دیے اور کوئی جواب نہ دیا، پھر ایک دوسرے طالب علم نے یہی درخواست کی، لیکن شیخ نے سنی اَن سنی کر دی اور پھر کوئی جواب نہ دیا۔

تیسری دفعہ جب درخواست پیش کی گئی تو شیخ نے چند لمحوں کے لیے سر جھکایا اور پھر کہا: ''میرے لیے ان احادیث کا سننا بہت مشکل ہے!''

طلبہ شیخ کی بات کا مطلب پوری طرح سمجھ نہ سکے، انھوں نے ہر چند اِصرار کیا۔

آخر شیخ نے اپنی کاپی ایک طالب علم کو تھما دی، اس نے پڑھنا شروع کیا۔ ابتدا میں جہنم کی ہولناکیاں بیان کرنے والی اور آخرت میں پیش آنے والے عذاب کی احادیث تھیں۔ جیسے جیسے وہ پڑھتا جا رہا تھا شیخ کی حالت بدلتی جا رہی تھی۔ شیخ کا سر جھکا ہوا تھا اور آنسو ٹپ ٹپ گرتے جا رہے تھے۔

طالب علم پڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ اگلے چند لمحوں میں کیا ہونے والا ہے۔ اچانک شیخ مسند سے گر پڑے۔

طلبہ نے آگے بڑھ کر شیخ کو سہارا دِیا۔ ایک نے شیخ کا سر اپنی گود میں رکھ لیا، دوسرے نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ آس پاس بھی چند لوگ بیٹھے تھے، ان میں سے اکثر جمع ہو گئے، ہر ایک فکر مند نظر آ رہا تھا۔

کسی نے کہا: ''ان کے سامنے جنت کی احادیث پڑھو، شاید ہوش آ جائے!''

ایک طالب علم نے انھی کی کاپی لے کر جنت کی احادیث پڑھنا شروع کیں، لیکن پھر بھی ہوش نہ آیا۔

شیخ کے گھر پر اِطلاع دی تو وہاں سے کہا گیا کہ شیخ کو گھر لے آیا جائے۔

شیخ کو اُٹھا کر گھر پر لایا گیا اور بستر پر لٹا دیا گیا۔ اب تک شیخ کو ہوش نہیں آیا تھا، تاہم تقریباً ہر ایک یہی کہہ رہا تھا: فکر کی بات نہیں، ان شاء اللہ! جلد شیخ کو ہوش آ جائے گا۔

پورا دن گزر گیا لیکن شیخ کو ہوش نہیں آیا۔ گھر والوں کے علاوہ طلبہ میں سے بھی اکثر کوئی نہ کوئی شیخ کے پاس ہوتا ہی تھا۔

اگلا دن بھی گزر گیا لیکن شیخ نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔

ایک دن اور گزر گیا اور شیخ کو اِفاقہ نہ ہوا۔ جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے شیخ سے تعلق رکھنے والوں کی اور شاگردوں کی فکر بڑھتی جا رہی تھی۔ امید کے افق پر اندھیرا چھاتا جا رہا تھا، لیکن بہر حال مسلسل کوئی نہ کوئی شیخ کے پاس ہر وقت موجود رہتا اور ہر ایک اس امید سے تھا کہ کسی نہ کسی وقت شیخ آنکھ کھول دیں گے اور دوبارہ ہوش و حواس بحال ہو جائیں گے۔

لیکن اب امید کے سارے مینار گرتے نظر آ رہے تھے۔ شیخ کی طویل بے ہوشی اب ہر ایک کے لیے بہت زیادہ پریشانی کا سبب بن چکی تھی۔

اب شیخ کو بے ہوش ہوئے بارہ دن گزر چکے تھے۔ ایک ماہر طبیب آیا، اس نے نبض دیکھی اور معاینہ کیا۔ کافی دیر دیکھنے کے بعد اس نے کہا:

هذا رَجُلٌ انْصَدَعَ قَلْبُهُ! (اس شخص کا دل تو پھٹ چکا ہے!)

امید کی ایک کرن تھی، وہ بھی بجھ گئی۔ آہ و بکا کا سماں بندھ گیا۔

طلبہ کو رہ رہ کر اپنے شیخ کا وہ جملہ یاد آرہا تھا: ''میرے لیے ان احادیث کا سننا بہت مشکل ہے!'' اور اب ان کی سمجھ میں آیا تھا کہ ان کے شیخ کیا کہنا چاہتے تھے۔

یہ غیر متوقع طور پر اِتنا بڑا سانحہ ایک طرف تو دلوں کو پگھلا رہا تھا، ہزاروں آنکھیں اس کی وجہ سے نم تھیں اور کتنے چہروں پر اُداسی چھائی ہوئی تھی اور دوسری طرف ہر دیکھنے والے اور سننے والے کے لیے اس میں بہت بڑا سبق تھا کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو آخرت اور جہنم کا تذکرہ سن کر صرف کانپتے اور لرزتے ہی نہیں، بل کہ ان کا دل اس دن کی ہولناکیوں کو برداشت ہی نہیں کر سکتا!

کیا آپ جانتے ہیں یہ شیخ کون ہیں؟

یہ مدینہ منورہ کے محدث اور مفتی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کبھی بھی کسی کو مفتی نہیں لکھتے تھے، سوائے ایک شخص کے اور وہ یہی ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ انھیں خط لکھتے تو اِن کا نام یوں لکھتے:

مفتی ابوعبداللہ بن وہب، مصر کے فقیہ!

جی ہاں، ان کا نام عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ ہے، یہ مصر کے مفتی تھے۔

انھوں نے ایک دفعہ قرآن کی ایک آیت کا کچھ حصہ سنا:

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ۔ (المومن:۴۷)

(اور جب وہ لوگ دوزخ کے اندر آپس میں جھگڑیں گے۔)

اسے سن کر برداشت نہ کر سکے اور بے ہوش ہو گئے۔

عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے غیبت سے بچنے کے لیے اپنے نفس کو سزا دینے کا ایک انوکھے طریقہ اختیار کیا تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ اگر میں نے کسی بھی انسان کی غیبت کی تو ایک دن کا روزہ رکھوں گا، لیکن اس کا خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا، کیوں کہ روزہ رکھنا میری عادت بن گیا، میں غیبت کرتا اور روزہ رکھ لیتا، پھر میں نے اپنے اوپر لازم کیا کہ جب بھی کسی کی غیبت کروں گا تو ایک درہم صدقہ کروں گا۔ یہ میرے نفس پر بہت بھاری گزرا اور اِس کے بعد سے میں نے غیبت کرنا چھوڑ دی۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی جنت اور جہنم کے تذکروں سے متاثر ہونے والا دل عطا فرمائے۔ آمین!

حضرت عبداللہ بن وہب مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: سیر أعلام النبلاء: ج: ۹، ص: ۲۲۳ تا ۲۳۴، الرقم: ۶۳۔ ترتیب المدارك و تقریب المسالك: ج: ۱، ۴۵۵ تا ۴۶۶، الرقم: ۷۲۔

بقیہ: گم نام ہیرو

جانوں کے نذرانے پیش کر کے ان کی پیش قدمی روک دی۔

اتنے میں مورچے تک اسلحہ اور کچھ جوان پہنچ گئے اور اِن کے جسموں میں نئی توانائی بھر گئی۔ نیا اسلحہ اور جوان آجانے کی وجہ سے دشمن کا دم خم ٹوٹ گیا اور اُس نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔

لیفٹیننٹ محمد صدیق نے سپاہی محمد اکرام کو واپس مورچے میں بلایا، لیکن اس نے آنے سے انکار کر دیا۔

''سر! اللہ کا سپاہی کبھی میدان چھوڑ کر نہیں بھاگتا۔'' اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''تم زخمی ہو محمد اکرام! تم میدان چھوڑ کر نہیں بھاگ رہے، بل کہ علاج کے لیے جاؤ گے۔'' لیفٹیننٹ نے اسے سمجھانا چاہا۔

''میرے جو بھائی زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے، انھیں علاج کے لیے کیوں نہیں بھیجا گیا؟'' اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''اس وقت ہمارے پاس جوان کم تھے۔'' لیفٹیننٹ نے جواب دیا۔

''میں اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹوں گا سر! جب تک بزدل دشمن دُم دبا کر بھاگ نہ جائے۔'' اس نے جذباتی لہجے میں کہا اور لیفٹیننٹ کو خاموش ہونا پڑا۔ وہ اسے پیچھے لانے کے لیے اپنے عہدے کا استعمال کرتے ہوئے حکم نہیں دینا چاہتا تھا، ورنہ اس کا دل ٹوٹ جاتا۔

جنگ کچھ دن اور جاری رہی اور پھر جنگ بندی ہو گئی۔ سپاہی محمد اکرام کو بڑی مشکل سے سمجھا کر واپس لایا گیا اور فوجی ہسپتال میں داخل کروایا گیا۔ بروقت علاج نہ کروانے کی وجہ سے اب اس کی ٹانگ گھٹنے کے پاس سے کاٹنی پڑی۔ اس نے اپنی ایک ٹانگ کی قربانی دے کر پاکستانی قوم پر نازل ہونے والی تباہی ٹال دی تھی۔

.....☆.....

''بابا! دو کلو سبزی دینا۔'' اچانک ایک گاہک نے اسے مخاطب کیا اور وہ ماضی سے حال میں لوٹ آیا۔

اس نے دو کلو سبزی تول کر گاہک کے حوالے کی اور اپنے آنسو صاف کرتا ہوا ریڑھی لے کر آگے بڑھ گیا۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ وہ گم نام ہیرو ہے جس کی وجہ سے آج ہم آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں۔

دشمن

مریم شہزاد۔ کراچی

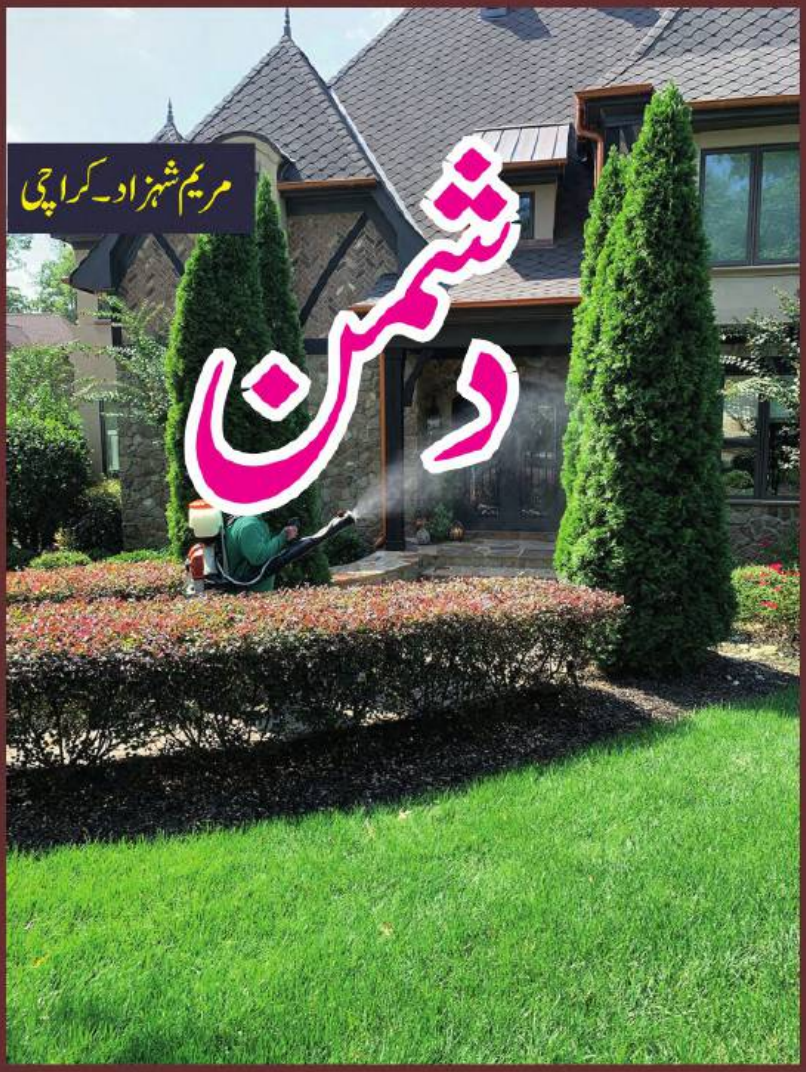

چن اور پن، دونوں بھائی بہت شرارتی تھے۔ ایک جگہ ٹک کر بیٹھنا انھوں نے سیکھا ہی نہیں تھا، ابھی یہاں تو ابھی وہاں۔ سارا دن شرارتیں کرتے گزر جاتا۔ ان کی امی بہت سمجھاتیں کہ بیٹا! یہاں ہمارے بہت دشمن ہیں، اگر اُن کے ہتھے چڑھ گئے تو زندہ نہیں بچیں گے۔ دشمن بہت ظالم ہے، وہ ہمیں ہر طریقے سے مارنے کی کوشش کرتا ہے۔ چن اور پن یوں تو اپنی امی کی بات بہت غور سے سنتے، مگر پھر جلد ہی بھول جاتے۔ آج بھی امی ان کی پہرے داری کرتے کرتے تھک گئی تھیں اور وہ بھی تھک کر سو گئے تھے۔

وہ دونوں گہری نیند میں تھے کہ انھیں اپنی امی کی آواز سنائی دی: ''اٹھ جاؤ، میرے بچو! اٹھ جاؤ۔'' انھیں لگا کہ امی بہت ہی کم زور آواز میں انھیں اٹھا رہی ہیں، ورنہ تو دیر سے اٹھنے پر امی زور سے اور غصے سے آواز دیتی ہیں۔ ان دونوں نے آنکھیں ملتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی تو عجیب سی بُو محسوس کی، وہ گھبرا گئے۔ انھوں نے اپنی امی کی طرف دیکھا تو وہ نڈھال ہو رہی تھیں۔ انھیں جاگتا دیکھ کر ایک بار پھر امی نے اپنی ہمت جمع کی اور بولیں:

''میرے پیارے بچو! مجھے لگ رہا ہے کہ میرا آخری وقت آ گیا ہے، اب تم میری بات غور سے سنو۔'' دونوں گھبرا کر اٹھ بیٹھے، مگر انھیں بھی چکر سے محسوس ہو رہے تھے۔ ایک ناگوار بُو کی وجہ سے انھیں سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ انھوں نے سنا، امی کہہ رہی تھیں:

''دیکھو، میں تو اپنی زندگی جی چکی، مگر ابھی تم نے کچھ نہیں دیکھا۔ نہ جانے یہ لوگ کیوں ہماری جان کے دشمن بن گئے ہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ میں تم دونوں کے ساتھ بھاگ سکوں گی۔ ابھی میں نے دروازے کے باہر سے آواز سنی ہے، وہ لوگ کچھ ہی دیر میں دروازہ کھول کر دیکھیں گے کہ ہم ابھی زندہ ہیں یا مر گئے ہیں، اس لیے تم دروازے کے قریب ہی رہنا۔ وہ دروازہ کھول کر دیکھیں گے، تم تو چھوٹے سے ہو، جلدی سے نیچے کی طرف سے نکل جانا۔ میں بھی کوشش کروں گی، مگر مجھے نہیں لگتا کہ میں کام یاب ہو سکوں گی، لیکن تم اپنی جان بچا لینا۔''

''نہیں، امی! نہیں ہم آپ کو کیسے چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ آخر ہم نے ان کا کیا بگاڑا ہے جو یہ ہمیں مارنے پر تل گئے ہیں۔''

''بے کار کی باتیں مت کرو، چلو دروازے کی طرف جاؤ۔ میں بھی چلتی ہوں، مگر میرا اِنتظار نہ کرنا، دروازہ کھلتے ہی نکل جانا۔'' اتنا کہہ کر وہ نڈھال ہو کر گر گئیں۔ بچے اس طرف بڑھے، مگر امی نے دروازے کی طرف متوجہ کیا۔ لاک کھلنے کی آواز آئی۔

''جاؤ، یہ میرا حکم ہے۔''

ان دونوں نے نم آنکھوں سے امی کو دیکھا اور دروازے کے بالکل قریب آ گئے، لیکن دل میں عہد کیا کہ وہ اپنے دشمن کو نہیں چھوڑیں گے۔ جیسے ہی دروازہ کھلا، دونوں اڑتے ہوئے باہر نکلے اور باہر کھڑے آدمی کے پاؤں پر اتنے زور سے کاٹا کہ وہ بلبلا اُٹھا اور زور سے اپنے ہی پاؤں پر مار بیٹھا اور بولا:

''کوئی دوائی، کوئی اسپرے ان مچھروں پر اثر نہیں کرتا۔''

''اب پتا لگے گا نا جب ڈینگی ہوگا، ہماری امی کو تو مار دیا، اب مزہ چکھو۔''

''چن، پن (مچھر) اُس آدمی کے کان میں گنگناتے ہوئے اُڑ گئے اور مزید اپنے مزید دشمنوں کو کاٹنا شروع کر دیا۔

قرآن کوئز ❶

سعد علی چھیپا۔ کراچی

عزیز قارئین! پیشِ خدمت ہے ایک نیا انعامی سلسلہ بنام ''قرآن کوئز''، جس میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ''قرآن کریم'' کے بارے میں پانچ سوال پوچھے جائیں گے۔ صحیح جواب دینے پر آپ کو ملے گا بہترین انعام.....

تو دیجیے جواب اور لیجیے انعام.....

آپ کا جواب کوپن کے ساتھ ۳۰ ستمبر ۲۰۲۰ء تک ہمیں مل جانا چاہیے۔

❶ قرآن شریف میں حروف مقطعات کے کتنے مجموعے ہیں؟

❷ قرآن شریف میں کتنے رکوع ہیں؟

❸ قرآن کی سب سے پہلی نازل ہونے والی وحی کس سورت میں ہے؟

❹ قرآن کریم میں کون سی چار مسجدوں کا تذکرہ آیا ہے؟

❺ قرآن کریم کی سب سے بڑی آیت کون سی سورت میں ہے؟

سچی کہانی

وزیہ ظفر۔ چکوال

وہ رو رہی تھی، سسک رہی تھی:

''یا اللہ رحم!'' بس یہی جملہ اس کی زبان پر جاری تھا۔ اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ دوپٹا آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔ شاید باہر برستی بارش اور اُس کے بہتے آنسوؤں نے ختم نہ ہونے پر شرط لگا رکھی تھی۔ رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ گھڑی کی ٹک ٹک اس کے بہتے آنسوؤں میں اضافہ کر رہی تھی۔ ''یا اللہ! میرے پیارے اللہ!'' وہ سجدے میں گر جاتی، پھر اچانک سے گھبرا کر اُٹھتی اور آسمان کی جانب دیکھنے لگتی۔

.....☆.....

''یہ کیسے ہوسکتا ہے قاسم!'' فرزانہ بیگم پریشان لہجے میں بولیں۔ ''پھپھو! میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' قاسم کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔ پھپھو! اُس کی بروقت مدد نہ کی تو وہ مر جائے گا۔ پھپھو! اُسے بچا لیں۔'' وہ خوبرو نوجوان کسی بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ فرزانہ بیگم اسے دیکھتی رہ گئیں۔

.....☆.....

حسان احمد ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ ماں باپ خاندانی دشمنی سے تنگ آ کر گاؤں سے شہر آ گئے تھے۔ حسان کے والد منیب احمد ایک سادہ اور اَن پڑھ انسان تھے۔ وہ محنت مزدوری کے علاوہ کوئی ہنر نہیں جانتے تھے۔ شہر میں رہتے ہوئے پانچ بچوں کو پالنا اور ضروریاتِ زندگی پوری کرنا، محنت مزدوری کے ساتھ بہت مشکل تھا، لیکن پھر بھی زندگی کی گاڑی آہستہ آہستہ چل رہی تھی، لیکن کچھ عرصے سے جیسے بدحالی نے اس گھر کا راستہ دیکھ لیا تھا۔

دونوں میاں بیوی کسی کام سے دور پرے کے رشتے داروں کے گھر جا رہے تھے کہ تیزی سے آتی ایک گاڑی کی زد میں آ گئے، چوٹیں اتنی زیادہ نہیں تھیں کہ علاج ناممکن ہوتا، لیکن غربت کی وجہ سے بروقت علاج نہ ہونے پر معذوری ان کا مقدر بن گئی۔ اب گھر بھر کی ذمے داری حسان احمد کے ناتواں کاندھوں پر تھی۔ محلے والے بھی ان سے ہمدردی رکھتے تھے، لیکن حسان احمد بھی منیب احمد کی طرح خوددار تھا، اس کے باپ نے اسے ہمیشہ خودداری کا درس دیا تھا۔ اولاد تو پھر ویسا ہی کرتی ہے جیسا اپنے ماں باپ کو کرتا دیکھتی ہے۔

حسان احمد نے پڑھائی کے ساتھ پارٹ ٹائم ایک دکان پر کام کرنا شروع کر دیا، اس کے بعد وہ بچوں کو ٹیوشن پڑھاتا۔ اس کی جان توڑ

کوشش سے گھر کے حالات کافی نہیں تو کچھ بہتر ہو گئے تھے۔

''ماں!'' مجھے کچھ اور جگہ بھی ٹیوشن کی آفر ہوئی ہے، پھر اِن شاءاللہ! میں آپ کا اور بابا کا علاج کرواؤں گا۔'' اس کی آنکھوں میں کچھ پا لینے کی چمک تھی، مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ انسان جب مستقبل کے بارے گفتگو کرتا ہے تو تقدیر ہنستی ہے، کیوں کہ انسان تقدیر کے سامنے بے بس ہے۔ حسان احمد بھی قاسم کے ساتھ اپنے ماں باپ کے علاج کے لیے ہسپتال جا رہا تھا، اس بات سے بے خبر کہ ان سے پہلے اس ہسپتال کا بستر اُس کا مقدر ہوگا۔

.....☆.....

''پھپھو! ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اگر صبح آٹھ بجے تک آپریشن نہ ہو سکا تو اُس کا ہاتھ ہمیشہ کے لیے ناکارہ ہو جائے گا، وہ معذور ہو جائے گا۔ پھپھو! حسان.....!'' اس کے الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ فرزانہ نے حسان کو نہیں دیکھا ہوا تھا، بس قاسم کے طفیل اسے جانتی تھی۔

''قاسم! تم گاڑی کا انتظام کرو، حسان کو ابھی ہسپتال داخل کروانا پڑے گا، تب ہی صبح تک اس کے آپریشن کے انتظامات مکمل ہوں گے۔'' فرزانہ نے اپنی جمع پونجی پرس میں رکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن پھپھو!؟''

''قاسم! اللہ پاک سب بہتر کرے گا۔ وہ اپنے بندوں سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو اُن کی ہمت سے زیادہ کبھی نہیں آزماتا۔ ہم دعا بھی کریں گے اور کوشش بھی اور جب دعا اور کوشش ملتی ہے تو رب کے حکم سے کچھ بھی ناممکن نہیں رہتا، اس بات پر میرا یقین ہے۔''

''آپریشن کے لیے پچاس ہزار جمع کروانے ہوں گے، وہ آپ ابھی جمع کروائیں گے یا صبح؟'' ڈاکٹر نے جیسے بات نہیں کی تھی، بم پھوڑا تھا۔ فرزانہ خود بھی اتنی امیر نہیں تھی کہ ایک ساتھ ہی پچاس ہزار کا اِنتظام کر لیتی۔

''پھپھو! حسان کی قسمت ایسی کیوں ہے، اس کے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے؟'' قاسم نے مایوسانہ نظروں سے فرزانہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''حسان کے ماں باپ بھی جو قاسم اور فرزانہ کا آسرا لیے بیٹھے تھے، قاسم کو پریشان دیکھ کر بالکل ہی نا اُمید ہو گئے تھے۔ منیب احمد اِلتجائیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ خود جتنے بھی بیمار تھے، کبھی کسی سے ایک روپے کی مدد نہیں لی تھی، لیکن بیٹے کی تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ بیٹے کے دکھ نے انھیں اندر سے توڑ دیا تھا۔

''بہن! آپ تسلی رکھیں ان شاءاللہ! رب سب بہتر کرے گا۔'' فرزانہ نے حسان کی والدہ کی تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''لیکن ایک ہی رات میں کیسے ہوگا!؟'' صفیہ کے لہجے میں مکمل نا اُمیدی تھی۔

''بہن! رب مسبب الاسباب ہے۔ وہ سب اسباب اپنے فضل سے پیدا کرے گا۔ آپ اپنے رب سے دعا کریں۔ وہ دعاؤں کو سننے والا ہے۔ آپ کی دعا کو رَد نہیں کرے گا۔'' فرزانہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور قاسم کو چلنے کا اشارہ کیا۔

فرزانہ کی ایک جاننے والی فہمیدہ کے شوہر فلاحی ادارے کے رکن تھے۔ فرزانہ نے آتے ہی اس سے مدد کا کہا تھا۔ اس نے بھی پکی بات نہیں کی تھی، کیوں کہ ایک رات میں اتنے پیسوں کا انتظام ناممکن لگ رہا تھا۔ اس نے صبح بتانے کا کہا تھا۔ فرزانہ کے پاس اب صرف دعا کا ہی راستہ تھا۔ جیسے جیسے رات گزر رہی تھی، فرزانہ کا دل بھی ڈوبتا جا رہا تھا۔ ''اے اللہ! میرے پیارے اللہ!.....'' اس کی دعاؤں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ فجر کی نماز ادا کر کے اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ موبائل چیک کیا۔ اسے فہمیدہ کی طرف سے میسج کا انتظار تھا۔ فہمیدہ کی طرف سے آئے میسج نے اسے پیسوں کا انتظام ہو جانے کی نوید سنائی، جس نے اس کا رَب پر یقین اور پختہ کر دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، لیکن ان آنسوؤں اور رات کے آنسوؤں میں بہت فرق تھا۔ حسان کا آپریشن کام یاب ہو گیا تھا، وہ اب خطرے سے باہر تھا۔ منیب احمد اور صفیہ انھیں دعاؤں سے نواز رہے تھے، آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔

''بیٹا! میں سمجھتا تھا کہ اب دنیا سے اچھے انسان ختم ہو گئے ہیں، بس مطلب کی ہی دنیا ہے، لیکن آپ سے مل کر مجھے اپنی سوچ پر شرمندگی ہو رہی ہے۔'' منیب حمد نے آنسوؤں کے درمیان بات مکمل کی۔

''چاچا جان! بُرا کوئی بھی نہیں ہوتا، بس حالات بعض اوقات بُرا بننے پر مجبور کر دیتے ہیں۔'' قاسم نے سر جھکا کر کہا، اس کے لہجے میں ایک عجیب سا دکھ جھلک رہا تھا۔

شکر پارے

قارئین

☆ایک اخباری رپورٹر منڈی میں ایک گائے بیچنے والے کا انٹرویو لینے کے لیے آیا۔

نیوز رپورٹر:

''آپ اپنی گائے کہاں نہلاتے ہیں؟''

''بیوپاری:''جی، کالی یا سفید؟''

رپورٹر:''کالی والی۔''

بیوپاری:''جی، میں اسے دریا پر نہلاتا ہوں۔''

رپورٹر:''اور سفید والی کو؟''

بیوپاری:''جی، اسے بھی دریا پر نہلاتا ہوں۔'' رپورٹر اِس جواب پر تھوڑا حیران ہوا، لیکن اس نے انٹرویو جاری رکھا۔

رپورٹر:''آپ اپنی گائے کو کیا کھلاتے ہیں؟''

بیوپاری:''کالی یا سفید؟''

رپورٹر:''کالی والی۔''

بیوپاری:''جی، میں اسے چارا کھلاتا ہوں۔''

رپورٹر:''اور سفید والی کو؟''

بیوپاری:''جی، اسے بھی چارا ہی کھلاتا ہوں۔'' نیوز رپورٹر کو اِس بار اور بھی عجیب لگا، لیکن اس نے سوچا کہ ایک اور سوال پوچھتا ہوں۔

رپورٹر:''آپ اپنی گائے کو رات کو کہاں باندھتے ہیں؟''

بیوپاری:''کالی یا سفید؟''

رپورٹر:''کالی والی۔''

بیوپاری:''جی، میں اسے رات کو باڑے میں باندھتا ہوں۔''

رپورٹر:''اور سفید والی کو؟''

بیوپاری:''جی، اسے بھی میں رات کو باڑے میں ہی باندھتا ہوں۔'' اب نیوز رپورٹر سے رہا نہ گیا۔

رپورٹر:''آپ مجھ سے بار بار کالی یا سفید کے بارے میں کیوں پوچھتے ہیں؟ جب کہ آپ نے دونوں کے بارے ایک ہی جواب دینا ہوتا ہے۔''

بیوپاری:''جی، وہ اصل میں کالی والی گائے میری اپنی ہے۔''

رپورٹر:''اور سفید والی؟''

بیوپاری:''جی، وہ بھی میری اپنی ہی ہے۔''

(بنت مقبول۔کراچی)

☆ٹیچرز ڈے پر کسی نے اپنے بہت ہی قابل اور محترم استاد کو فون کیا اور کہا:

''میں آج جو بھی ہوں آپ کی وجہ سے ہی ہوں۔''

استادِ محترم بولے:

''دیکھو، ہمیں الزام نہ دو، ہم نے اپنی طرف سے تمھیں سُدھارنے کی پوری کوشش کی تھی۔''

(رقیہ ریحان۔اسلام آباد)

☆ایک دوست (دوسرے سے):''مجھے ایک کیشیئر کی تلاش ہے۔''

دوسرا دوست:''لیکن دو ماہ پہلے ہی تو تم نے کیشیئر رکھا تھا۔''

پہلا دوست:''اسی کی تو تلاش ہے۔''

(ربیعہ ناز۔اسلام آباد)

☆نوکر (مالک سے):''وہ جی سریف پور سے سریف صاحب نے سریفے بھیجے ہیں۔''

مالک:''کبھی ''ش'' بھی بول لیا کرو۔''

نوکر:''وہ جی، شاب نے شلام بھی بھیجا ہے۔''

(محمد طلحہ۔کراچی)

☆باجی (پڑھاتے ہوئے):

''اچھا خالد! بتاؤ دو اور تین کتنے ہوتے ہیں۔''

خالد:''پانچ۔''

باجی:''شاباش! لو یہ پانچ چاکلیٹ۔''

خالد (پچھتاتے ہوئے):''اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تو نہیں بتاتا، بیس!''

(احمد علی۔لاہور)

شاہ جہانی مسجد، مکلی قبرستان، کینجھر جھیل، مائی نوری جام تماچی، کیا آپ بتا سکتے ہیں ان جگہوں کا تعلق پاکستان کے کس شہر سے ہے؟

نہیں معلوم؟ کوئی بات نہیں، ہم آپ کو بتا دیتے ہیں۔ پاکستان کے اس تاریخی شہر کا نام ہے ''ٹھٹہ!''

آپ کراچی سے قومی شاہ راہ پر سفر کرتے ہوئے جب 102 کلومیٹر کا فاصلہ طے کریں گے تو پاکستان کا عالمی شہرت یافتہ شہر ٹھٹہ آپ کا استقبال کرے گا۔

یہ شہر کب آباد ہوا؟ اس سوال کے جواب میں مختلف بیانات ملتے ہیں۔

سندھ کے محقق ڈاکٹر پیرزادہ حسام الدین راشدی مرحوم نے اپنی کتاب ''مکلی نامہ'' میں لکھا ہے: ''1175ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ''اُچ شریف'' (بہاول پور) اور ٹھٹہ پر لشکر کشی کی تھی۔''

کچھ مؤرخین کہتے ہیں کہ ''اس شہر کو باقاعدہ طور پر سمہ قوم کے حکمران جام نظام الدین نندو نے اپنے دورِ حکومت 1461ء تا 1508ء کے دوران میں آباد کیا تھا۔''

کچھ مؤرخین کی رائے کے مطابق ٹھٹہ شہر 1520ء میں مرزا شاہ بیگ ارغون نے بسایا تھا۔

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ ٹھٹہ کا شہر برطانوی راج کے دوران میں صوبہ سندھ کے انگریز گورنر میجر آؤٹرام نے آباد کیا تھا۔

حقیقت خواہ کچھ بھی ہو، لیکن اس شہر کی شان دار تاریخی حیثیت سے کوئی مؤرخ انکار نہیں کرسکتا۔

ماضی میں جب دریائے سندھ میں آنے والے سیلابوں کی وجہ سے ''اروڑ (روہڑی)'' کا شہر تباہ ہونے لگا تو اہلِ شہر نے وہاں سے ہجرت کی اور ایک خشک میدان میں آکر آباد ہوگئے اور اُس جگہ کا نام ''تھہ تھہ'' رکھا، جس کے معنی ہیں: ''خشک میدان یا شوروغل۔'' یہی ''تھہ تھہ'' بعد میں ''ٹھٹہ'' ہوگیا۔

ٹھٹہ کی سرزمین پر اِسلام کی روشنی آٹھویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے کے دوران میں پہنچی۔ کیسے؟ اس سوال کے جواب کی تلاش میں آپ کو ہمارے ساتھ ماضی میں جانا ہوگا۔

یہ 712ء کی بات ہے۔ چھٹے اُموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کا دورِ خلافت تھا۔ عرب تاجروں کے آٹھ بحری جہاز سری لنکا سے عراق کے شہر بصرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ان بحری جہازوں میں عرب تاجر، اُن کا مال واسباب اور اُن عرب تاجروں کی بیوائیں اور یتیم بچے بھی سوار تھے جو سری لنکا میں قیام کے دوران میں فوت ہوگئے تھے۔ ان کے علاوہ ان بحری جہازوں میں سری لنکا کے راجا کی طرف سے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے لیے بھیجے گئے قیمتی تحائف بھی موجود تھے۔

جب یہ بحری جہاز (موجودہ کراچی کے نزدیک واقع مقام) ''دیبل'' کی بندرگاہ کے قریب سے گزرے تو بحری قزاقوں نے ان بحری جہازوں کو لوٹ لیا اور مردوں، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔

اس واقعے کی اطلاع جب بصرہ (عراق) کے گورنر حجاج بن یوسف تک پہنچی تو غم وغصے سے اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے فوری طور پر اپنا قاصد راجا داہر کی طرف روانہ کیا۔ قاصد نے حجاج بن یوسف کی طرف سے راجا داہر کے سامنے مطالبہ کیا کہ وہ مجرموں کو گرفتار کر کے عبرت ناک سزا دے اور قیدیوں کو رِہا کروا کر لوٹے گئے مال واسباب کے ساتھ بحفاظت بصرہ روانہ کردے۔

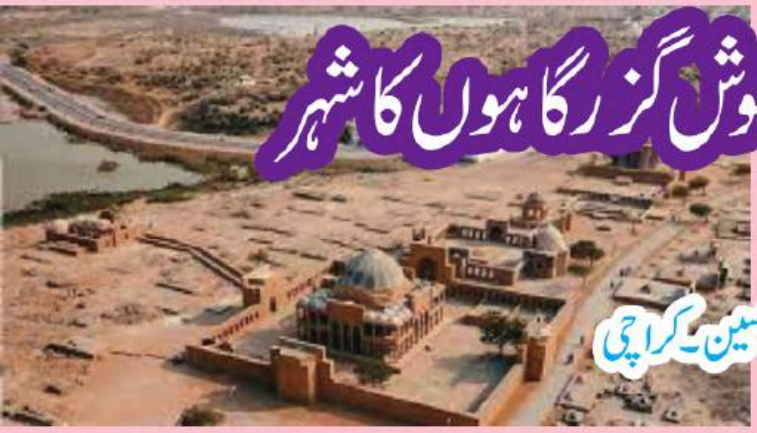

خاموش گزرگاہوں کا شہر

الطاف حسین۔ کراچی

راجا داہر نے ان مطالبات کو ماننے سے انکار کر دیا، کیوں کہ وہ مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ قاصد نے واپس جا کر حجاج بن یوسف کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ حجاج بن یوسف نے راجا داہر کو سزا دینے کی غرض سے اپنے سترہ سالہ بھتیجے محمد بن قاسم کو بارہ ہزار سپاہیوں اور تین ہزار باربردار اُونٹوں کے ساتھ سندھ کی طرف روانہ کیا۔ اسلامی فوج کے پاس منجنیقیں (پتھر پھینکنے والی توپیں) بھی تھیں، جن سے دشمن فوج پر پتھروں کی بارش کی جاتی تھی۔

محمد بن قاسم نے سب سے پہلے دیبل شہر کو فتح کر کے سندھ میں اسلامی حکومت کی بُنیاد رکھی۔ اس کے بعد دنیائے اسلام کے اس کمسن سپہ سالار نے ٹھٹہ پر اسلامی پرچم لہرایا اور اُس کے بعد نیرون کوٹ اور برہمن آباد کو تسخیر کرتا ہوا ''اروڑ (روہڑی)'' پہنچا جو سندھ کے راجا داہر کا پایہ تخت تھا۔ یہاں حق و باطل کے درمیان خوں ریز معرکہ لڑا گیا، جس میں راجا داہر قتل ہوا اور اِس طرح سندھ اسلامی حکومت کا حصہ بن گیا۔

713ء میں محمد بن قاسم نے پنجاب کی طرف پیش قدمی کی اور ملتان کو فتح کیا۔ محمد بن قاسم نے تمام مفتوحہ علاقوں میں آباد ہندوؤں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ اسلامی تعلیمات کے مطابق نہایت روادارنہ سلوک کیا۔ اس نے ان لوگوں کی مذہبی عبادت گاہوں اور مذہبی پیشواؤں کا پورا پورا احترام کیا۔ ہندو مذہب اور بُدھ مت کے پیروکاروں کو قانونی لحاظ سے وہی حیثیت دی جو اِسلامی مملکت میں عیسائیوں اور یہودیوں کو حاصل تھی۔ جو ہندو اپنی مرضی سے مسلمان ہو جاتے تھے انھیں جزیہ (ٹیکس) معاف کر دیا جاتا تھا۔ ہندوؤں کی جائیدادیں اور زمینیں ان کے قبضے میں ہی رہنے دی گئیں۔ ان کے باہمی جھگڑوں کے فیصلے ان کے مذہبی قوانین کی روشنی میں کیے جاتے تھے۔

محمد بن قاسم نے راجا داہر کے وزیروں اور برہمنوں پر بھرپور اِعتماد کیا۔ اس نے لگان کی وصولی کا کام مقامی کارکنوں کے پاس رہنے دیا۔ اس نے کسانوں، دست کاروں اور تاجروں کو کافی سہولتیں دیں اور فراخ دلی سے ضرورت مند لوگوں کا جزیہ معاف کر دیا۔

مختصر یہ کہ محمد بن قاسم نے سندھ میں عدل و انصاف کی بنیاد پر ایک ایسی مثالی حکومت قائم کی جسے تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی۔ 715ء میں جب ساتویں اُموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوئے تو اُنھوں نے محمد بن قاسم کو واپس عراق بلا لیا۔ اس موقع پر پورا سندھ محمد بن قاسم کی جدائی پر اَشک بار تھا۔ یہاں آباد ہندوؤں نے محمد بن قاسم کے واپس جانے کے بعد اُس کا مجسمہ بنا کر اُس کی پُوجا شروع کر دی۔ سندھ کا تعلق تقریباً سو سال سے زائد عرصہ تک خلافت اسلامیہ کے ساتھ قائم رہا اور اُس کے بعد یہ صوبہ کئی چھوٹی چھوٹی خود مختار رِیاستوں میں تقسیم ہو گیا۔

1026ء میں سلطان محمود غزنوی کے وزیر عبدالرزاق نے ٹھٹہ اور سہوان (سیہون) کو تسخیر کر کے سلطنتِ غزنی (افغانستان) کا حصہ بنایا۔

1175ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ''اُچ شریف'' (بہاول پور) اور اُس کے بعد ٹھٹہ کو سلطنتِ غور (افغانستان) میں شامل کیا۔ 1296ء میں خلجی خاندان کے دوسرے حکمران علاؤالدین خلجی کے دورِ حکومت میں اس کے سپہ سالار نصرت خان نے نیرون کوٹ اور ٹھٹہ کو فتح کیا۔

1340ء میں سومرہ قوم نے ٹھٹہ اور سندھ کے دیگر شہروں پر قبضہ کر لیا اور اِس شہر کو باقاعدہ طور پر سندھ کے دارالحکومت کا درجہ دیا۔ 1370ء میں سومرہ حاکم جام خیرالدین نے سلطنتِ تغلق (دہلی) کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا، جس کی خبر ملتے ہی خاندان تغلق کا تیسرا حکمران فیروز شاہ تغلق لشکر لے کر فوراً ٹھٹہ پہنچا۔ کافی دنوں تک جام خیرالدین قلعہ بند ہو کر تغلق فوج کا مقابلہ کرتا رہا، لیکن فیروز شاہ تغلق کا پلہ بھاری دیکھ کر اُس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور فیروز شاہ تغلق کی اطاعت قبول کر لی۔ فراخ دل فیروز شاہ تغلق نے جام خیر الدین کی خطا کو معاف کرتے ہوئے اسے ٹھٹہ کی حکومت سونپ دی اور اپنے لشکر کے ہمراہ واپس دہلی چلا گیا۔ 1412ء تک یہ شہر سلطنتِ تغلق کا حصہ رہا۔

اس کے بعد ٹھٹہ پر خود مختار حکمرانی دور شروع ہوا۔ سمہ قوم سے تعلق رکھنے والا جام نظام الدین نندو، ٹھٹہ کا پہلا خود مختار حاکم تھا، جس نے 1461ء سے 1508ء تک حکومت کی۔ اس کا دورِ حکومت سندھ کا ''زرّیں دور'' کہلاتا ہے۔ اس دور میں ٹھٹہ شہر نے قابلِ تعریف ترقی کی۔ اس شہر کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اَز سرِ نو آباد کیا گیا۔ یہاں خوب صورت اور عالی شان مساجد تعمیر کی گئیں، دِل کش عمارات بنائی گئیں، دینی اور علمی درس گاہیں قائم کی گئیں، جن میں اس دور میں رائج تمام علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان درس گاہوں کے علاوہ یہاں بڑے بڑے کتب خانے بھی قائم کیے گئے اور مسافروں کے قیام کے لیے سرائیں تعمیر کی گئیں۔

اس دور میں ٹھٹہ کا شمار ایشیا کے اہم تجارتی مراکز میں بھی ہوتا تھا۔ اس کے شاہی بازار کا رقبہ تین مربع میل تھا۔ عرب، ایران، مصر، چین اور اِنڈونیشیا کے تاجر اپنی ملکی مصنوعات اس بازار میں لا کر فروخت کرتے تھے اور واپسی پر یہاں کے ماہر سنگ تراشوں، سناروں اور جولاہوں کے ہاتھوں کی بنی ہوئی قیمتی اشیا خرید کر مصر اور شام کے راستے برِّ اعظم یورپ تک پہنچاتے تھے۔ سندھ کے کاری گروں کی تیار کردہ یہ اشیا دُنیا بھر میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔

جام نظام الدین نندو کی وفات کے بعد 1508ء میں ''بکھر'' کے حکمران مرزا شاہ بیگ ارغون نے ٹھٹہ پر حملہ کر دیا۔ سمہ قوم نے زبردست مزاحمت کی، جس کے باعث ارغونی فوج، شہر فتح کرنے میں کام یاب نہ ہو سکی۔ 1520ء میں مرزا شاہ بیگ ارغون نے دوبارہ ٹھٹہ پر لشکر کشی کی۔ اس مرتبہ قسمت نے ارغونوں کا ساتھ دیا اور اُنھوں نے نہایت مؤثر منصوبہ بندی سے حملہ کر کے ٹھٹہ کو فتح کر لیا۔ ارغونی فوج نے اہل شہر کا قتل عام کرتے ہوئے ان کے گھروں کو آگ لگا دی۔

1522ء میں مرزا شاہ بیگ ارغون کے انتقال کے بعد اُس کا بیٹا سلطان محمد تخت نشین ہوا جو بہت با تدبیر اور پُرعزم انسان تھا۔ اس نے اس شہر کو ترقی دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ سلطان محمد کی مؤثر دفاعی حکمت عملی

کی وجہ سے سلطنت مغلیہ (دہلی) کافی کوششوں کے باوجود سندھ میں اپنے قدم نہ جما سکی۔

1555ء میں ترخان خاندان کے سردار مرزا عیسیٰ خان نے ٹھٹہ سمیت پورے سندھ اور بکھر پر قبضہ کرلیا، لیکن اگلے سال 1556ء میں سلطان محمد اپنی فوجی قوت کو ازسرِنو منظم کرکے بکھر میں دوبارہ ارغونی حکومت بحال کرنے میں کام یاب ہوگیا۔ اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے مرزا عیسیٰ خان ترخان نے سلطان محمد کے خلاف ہندوستان میں تجارت کی غرض سے آنے والے پرتگیزیوں سے فوجی مدد کی درخواست کی اور پرتگیزی فوج کے ٹھٹہ پہنچنے سے پہلے ہی مرزا عیسیٰ خان اپنی فوج کے ہمراہ ''بکھر'' کی طرف کُوچ کرگیا۔

جب پرتگیزی فوج ٹھٹہ پہنچی تو میدان صاف دیکھ کر اُس کی نیت خراب ہوگئی اور پرتگیزی فوجیوں نے شہر میں لوٹ مار شروع کردی۔ انھوں نے جی بھر کر شہریوں کا مال و اسباب لوٹا اور اُس کے بعد ہنستے بستے شہر کو آگ لگا کر جہاں سے آئے تھے وہیں واپس چلے گئے۔ اس الم ناک سانحے کی اطلاع جب مرزا عیسیٰ خان ترخان تک پہنچی تو وہ اپنی فوج کے ہمراہ فوری طور پر ٹھٹہ پہنچا، لیکن اس وقت تک ٹھٹہ شہر جل کر خاک ہو چکا تھا اور اُس سے اُٹھتا دُھواں اس کی بربادی کی داستان سُنا رہا تھا۔ مرزا عیسیٰ خان ترخان نے دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ جلے ہوئے شہر کے گرد ایک مضبوط فصیل تعمیر کرانے کے بعد اُس کے اندر ایک دفاعی قلعہ تعمیر کروایا اور ایک نہر دریائے سندھ سے نکلوا کر شہر کے اندر تک پہنچادی۔ اس کے بعد اُس کی رعایا نے فوج کی مدد سے دن رات کی انتھک محنت سے ٹھٹہ شہر کی رونقیں پھر سے بحال کردیں۔

1591ء میں مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے دورِ حکومت میں مغل فوج نے سپہ سالار خانِ خاناں کی قیادت میں ٹھٹہ پر حملہ کرنے کی غرض سے پیش قدمی کی۔ اس دور کے ٹھٹہ کے ترخان حکمران مرزا جانی بیگ نے مغل فوج کے آنے کی خبر سنتے ہی اپنی رعایا کو حکم دیا کہ وہ پورے شہر کو آگ لگادے۔ رعایا نے حکم کی تعمیل کی اور یوں ٹھٹہ شہر تیسری بار آگ کی لپیٹ میں آگیا۔ مغل فوج نے سندھ کے جلتے ہوئے دارالحکومت پر قبضہ کرلیا اور اُس کے بعد سندھ کے دیگر شہروں کو بھی فتح کرکے سلطنت مغلیہ کا حصہ بنادیا۔ تیسری بار مغلوں نے ٹھٹہ شہر کی رونقوں کو بحال کیا۔

1707ء میں میاں یار محمد کلہوڑا نے چھٹے مغل بادشاہ محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر سے سندھ کی صوبے داری کا اجازت نامہ حاصل کرنے کے بعد یہاں اپنی خودمختار حکومت قائم کرلی۔ 1736ء میں اس کے بیٹے نور محمد کلہوڑا نے سندھ کی حکومت سنبھالی۔

1756ء میں غلام شاہ کلہوڑا نے تخت نشین ہونے کے بعد ٹھٹہ کے بجائے حیدرآباد کو سندھ کا نیا دارالحکومت بنادیا اور یوں ٹھٹہ اس عظیم اعزاز سے محروم ہوگیا جو گزشتہ 416 سال سے اس کے پاس تھا۔ غلام شاہ کلہوڑا نے ایک معاہدے کے تحت انگریزوں کو سندھ میں تجارتی کوٹھی قائم کرنے کی اجازت دی۔ یاد رہے کہ انگریز سترھویں صدی میں تاجروں کے روپ میں ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔

کلہوڑا خاندان کے دورِ حکومت کے دوران میں ''اورنگا بندر'' کو سندھ کی مشہور و معروف بندرگاہ کا درجہ حاصل تھا۔ کئی ممالک کے تاجر اسی بندرگاہ کے ذریعے سندھ میں اپنا مالِ تجارت فروخت کرنے آیا کرتے تھے۔

1783ء میں تالپوروں نے ''جنگِ ہالانی'' میں کلہوڑوں کو شکست دے کر اُن سے سندھ کا اقتدار چھین لیا اور میر جبار خان تالپور کے بیٹے میر فتح خان تالپور کو سندھ کا متفقہ طور پر حکمران تسلیم کرلیا۔

وقت گزرتا رہا اور انگریز موقع کی تلاش میں رہے۔ آخر 1808ء میں انھوں نے میر غلام خان تالپور سے ایک تجارتی معاہدہ کیا جس کی رُو سے انھیں سندھ میں تجارت کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ 1839ء میں چال باز انگریزوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت حفاظتی جواز پیش کرتے ہوئے تالپوروں سے اپنی علاحدہ فوج رکھنے کی اجازت بھی حاصل کرلی۔ وقت دھیرے دھیرے گزرتے رہا اور انگریز فوج کی تعداد میں گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ غیر محسوس طریقے سے اضافہ ہوتا رہا ؎

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

1843ء میں جنرل نیپئر کی قیادت میں انگریز فوج ''میانی'' کے مقام پر تالپور فوج کے خلاف صف آرا ہوئی۔ ''جنگِ میانی'' میں انگریز فوج نے تالپور فوج کو شکست دے کر تالپور خاندان کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔ سندھ پر انگریزوں کا تسلط تقریباً 104 سال تک قائم رہا۔ جب 14 اگست 1947ء کو پاکستان کے نام سے ایک نئی اسلامی مملکت قائم ہوئی تو سندھ پاکستان کے حصے میں آیا اور یوں ٹھٹہ کا تاریخی شہر پاکستان کے نقشے میں سما گیا۔

قیام پاکستان کے بعد ٹھٹہ شہر نے مختلف شعبوں میں کافی ترقی کی اور یہ

ملک کے اہم صنعتی، زرعی اور معدنی مراکز میں شمار ہونے لگا۔ یہاں سیمنٹ اور چینی تیار کرنے کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہیں، جن میں بنایا جانے والا سیمنٹ اور چینی پورے صوبہ سندھ اور ملک کے دیگر کئی شہروں کو بھیجا جاتا ہے۔ گھروں میں لوگ کھڈیوں پر سُوتی کپڑا بناتے ہیں۔ یہاں کے ماہر کاری گروں کے ہاتھ کی بنائی ہوئی لُنگیاں مُلک بھر میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

ٹھٹہ نے زراعت کے شعبے میں بھی نمایاں ترقی کی ہے۔ چاول، گندم، کپاس، گنّا، جوار، مکئی، تِل، باجرہ اور مختلف اقسام کی دالیں یہاں کی اہم فصلیں ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں مختلف اقسام کی سبزیاں اور پھل جن میں آم، کیلا، سنگترہ، کینو، مالٹا، خربوزہ، تربوز اور سیب شامل ہیں، بھی بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔

1981ء میں ٹھٹہ کی سرزمین میں کوئلے کا پہلا ذخیرہ دریافت ہوا۔ اس وقت جھمپیر میں موجود کوئلے کے ذخائر سے سالانہ دو ہزار میٹرک ٹن کوئلہ نکالا جارہا ہے۔ ان معدنی ذخائر میں مجموعی طور پر ڈھائی کروڑ میٹرک ٹن کوئلہ موجود ہے۔

ٹھٹہ تعلیم کے شعبے میں ابھی ترقی کی منزل کی طرف گام زن ہے۔ وہ دن دُور نہیں جب ٹھٹہ اپنے ماضی کی طرح پاکستان کے اہم اور بڑے تعلیمی مراکز میں شمار ہونے لگے گا۔

سندھ کی خوب صورت اور دوسری بڑی جھیل ''میٹھر جھیل'' مرکزِ شہر سے 19 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ دِل فریب جھیل انگریزوں کے دور میں دو جھیلوں ''کینجھر'' اور ''کلری'' کے باہم مِل جانے سے وجود میں آئی تھی۔ اس جھیل کی لمبائی 24 کلومیٹر اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی 6 کلومیٹر ہے، جب کہ اس کی گہرائی 30 فٹ ریکارڈ کی گئی ہے۔ دریائے سندھ کا پانی ''کینجھر جھیل'' میں ''کلری بگھار نہر'' کے ذریعے داخل ہوتا ہے۔ یہ جھیل تفریح گاہ ہونے کے ساتھ ساتھ ماہی گیری کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے۔

ہر سال سردی کے موسم میں دُور دراز کے یخ بستہ علاقوں سے مختلف اقسام کے رنگ برنگے پرندے اس جھیل پر آتے ہیں۔ محکمہ حیوانات کے ماہرین کے مطابق ان کی تعداد ہزاروں میں نہیں، بل کہ لاکھوں میں ہوتی ہے۔ روس کے یخ بستہ علاقے ''سائبریا'' اور اِسلامی دُنیا کے (رقبے کے لحاظ سے) سب سے بڑے ملک قازقستان سے نقل مکانی کرنے والے یہ پرندے جس مخصوص راستے پر پرواز کرتے ہوئے گزرتے ہیں اسے ''انڈس فلائی وے'' کہا جاتا ہے۔ کینجھر جھیل بھی اسی فلائی وے پر واقع ہے، اسی لیے ان میں سے لاکھوں پرندے اس جھیل کے کنارے قیام کرتے ہیں اور سردی کا موسم یہاں گزارنے

کے بعد واپس اپنے اصل وطن کی طرف پرواز کر جاتے ہیں۔ ان پرندوں میں مرغابیاں، کونجیں، پیلی کون، بگلے اور دیگر نایاب پرندے شامل ہوتے ہیں۔

کینجھر جھیل، پیراکی اور کشتی رانی کے شائقین میں بے حد مقبول ہے۔ یوں تو لوگوں کی ایک کثیر تعداد روزانہ اس جھیل پر تفریح کے لیے آتی ہے، لیکن تعطیلات کے دنوں میں یہاں تفریح پسندوں کا بہت رش ہوتا ہے، جو دُور دُور سے اس جھیل سے لطف اندوز ہونے کے لیے آتے ہیں۔ سندھ کی مشہور لوک داستان ''مائی نوری جام تماچی'' بھی اسی جھیل سے تعلق رکھتی ہے۔ مائی نوری کا مقبرہ اسی جھیل کے عین وسط میں واقع ہے۔ سندھ ٹورزم ڈیویلپمنٹ کارپوریشن نے اس جھیل کے کنارے دُور دراز سے آنے والے سیاحوں کے لیے ریسٹ ہاؤس بھی تعمیر کرایا ہے۔

''ہالیجی جھیل'' ٹھٹہ شہر کا ایک اور تفریحی مقام ہے، جو شہر سے 21 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ 1704 مربع ایکڑ رقبے میں پھیلی ہوئی یہ جھیل ابتدا میں ایک تالاب تھی، جسے انگریزوں نے 1930ء میں پھیلا کر جھیل کی شکل دی تھی۔ یہاں بھی لوگ دُور دُور سے تفریح کے لیے آتے ہیں۔ چوں کہ ہالیجی جھیل بھی اسی انڈس فلائی وے پر واقع ہے، اس لیے اس جھیل پر بھی کینجھر جھیل کی طرح ہر سال سردی کے موسم میں لاکھوں رنگ برنگے پرندے دُور دراز کے علاقوں سے سفر کر کے آتے ہیں۔

ہالیجی جھیل کی انفرادیت کی ایک وجہ اس کے تین جزیرے ہیں، جن کے نام ''پیلی کون آئی لینڈ''، ''کورمورنٹ آئی لینڈ'' اور ''کروکوڈائل آئی لینڈ'' (جس پر مگرمچھوں کی نایاب نسل پائی جاتی ہے) ہیں۔

ان دونوں جھیلوں کے علاوہ یہاں دو جھیلیں اور بھی ہیں۔ ایک جھیل کا نام ''ہڈیروں جھیل'' ہے، جب کہ دوسری جھیل کو ''چیختی جھیل'' کہا جاتا ہے۔

قومی شاہ راہ پر سفر کرتے ہوئے 100 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لینے کے بعد ٹھٹہ شہر کا ایک اور تاریخی مقام آپ کا استقبال کرتا ہے، دُنیا اسے ''مکلی'' کے نام سے جانتی ہے۔

ٹھٹہ شہر سے تقریباً 12 کلومیٹر کے فاصلے پر یہ مشہور و معروف قبرستان ''مکلی قبرستان'' واقع ہے جو یہاں آسودۂ خاک ''مائی مکلی'' کے نام سے منسوب ہے۔ 15 کلومیٹر مربع رقبے میں پھیلے ہوئے اس ''شہرِ خموشاں'' میں ٹھٹہ کی عظمت کی ہزاروں نشانیاں دفن ہیں۔ بعض مقبرے اور مزار، فنِ تعمیر، پتھر کے دیدہ زیب نقش و نگار اور دل کش روغنی ٹائلوں کے بے مثال نمونے ہیں۔

یونیسکو کے شعبہ ''عالمی ثقافتی ورثہ'' نے ''مکلی قبرستان'' کو دُنیا کا سب سے بڑا اور عمارتی قبروں کے لحاظ سے دُنیا کا حسین ترین اور حیرت انگیز قبرستان تسلیم کرتے ہوئے اسے عالمی تاریخی ورثہ قرار دیا ہے۔ اس منفرد قبرستان کو مقبروں کے لحاظ سے چار گروپوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(1) سومرہ اور سمہ کا مجموعی عہد 1340ء تا 1520ء

(2) ارغون عہد 1520ء تا 1555ء

(3) ترخان عہد 1555ء تا 1591ء

(4) مغلیہ عہد 1591ء تا 1739ء

مشہور صوفی بزرگ حضرت عبداللہ شاہ اصحابی اور دیگر سوا لاکھ اولیائے کرام اور صوفیائے کرام اس قبرستان میں خاک نشین ہیں۔ سومرہ، سمہ، ارغون اور ترخان عہدِ حکومت کے کئی حکمران بھی اسی قبرستان میں دفن ہیں۔ حضرت بابا سید قاسم شاہ کا مزار بھی یہیں ہے۔ ان کے علاوہ ملاں لڑ، جام تماچی، جنرل دولہا دریا خان شہید، دیوان شرفہ خان، شاہ جھنڈو اور سندھی زبان کے مشہور محقق میاں محمد ہاشم ٹھٹھوی، عبدالحسن سندھی اور ڈاکٹر پیر حسام الدین راشدی کی قبریں بھی آپ کو مکلی قبرستان میں دکھائی دیں گی۔ یہاں متعدد گمنام قبریں بھی موجود ہیں۔ ان میں اکثریت ان فوجیوں کی ہے جو مختلف ادوار میں سندھ پر حملہ کرنے آئے اور مقابلے کے دوران میں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ مکلی میں پہاڑی پر آپ کو انگریزوں کے دورِ حکومت کا ایک علاحدہ قبرستان اور ہندوؤں کے چند مندر بھی نظر آئیں گے۔ مختصر یہ کہ عہدِ رفتہ کی ان قابلِ دید یادگاروں کا تفصیلی مشاہدہ کرنے کے لیے آپ کے پاس اچھا خاصا وقت ہونا ضروری ہے۔

محکمہ آثارِ قدیمہ نے مکلی میں سیاحوں کے لیے ایک ریسٹورنٹ اور ایک بڑا ہوٹل ''مکلی اِن'' کے نام سے تعمیر کرایا ہے۔ ان کے علاوہ چند سرکاری دفاتر اور ملازمین کی رہائشی کالونیاں بھی قائم کی گئی ہیں۔

مکلی قبرستان کی طرح ''سونڈا قبرستان'' بھی ٹھٹہ آنے جانے والوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ یہ قبرستان ٹھٹہ سے 30 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ سترھویں صدی عیسوی کا یہ تاریخی ورثہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔ اس قبرستان کا ایک حصہ مغرب کی سمت قومی شاہ راہ کے سامنے واقع ہے اور دوسرا حصہ پہاڑی کی مشرقی سمت ہے۔ اس ''شہرِ خموشاں'' کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں موجود تمام قبریں خاص قسم کی اینٹوں

سے بنائی گئی ہیں اور اُن پر اُن میں دفن شدہ افراد کے پیشے کی عکاسی بھی کی گئی ہے۔ مثلاً اگر کسی قبر میں کوئی سُنار دفن ہے تو اُس کی قبر پر آلاتِ زرگری کندہ کیے گئے ہیں۔ اسی طرح کسی قبر میں کوئی فوجی دفن ہے تو اُس کی قبر پر فوجی لباس میں ملبوس گھڑسوار کی شبیہ بنائی گئی ہے، جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں ڈھال تھما دی گئی ہے۔ غرضے کہ جو شخص اپنی زندگی میں جس پیشے سے تعلق رکھتا تھا اس کی قبر پر اسی پیشے سے متعلقہ چیزوں کی عکاسی کی گئی ہے، تاکہ دیکھنے والوں کو قبر پر بنی تصویر دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ زیرِ نظر قبر میں جو شخص دفن ہے اس کا تعلق کس پیشے سے تھا۔

''شاہ جہانی مسجد'' ٹھٹہ کی ایک تاریخی یادگار ہے۔ وادیِ مہران کی اس خوب صورت مسجد کی تعمیر کا سنگِ بنیاد 1644ء میں ٹھٹہ کے حاکم امیر ابوالبقاء میر خان نے پانچویں مغل بادشاہ شہاب الدین محمد شاہ جہاں کے دورِ حکومت میں رکھا تھا اور

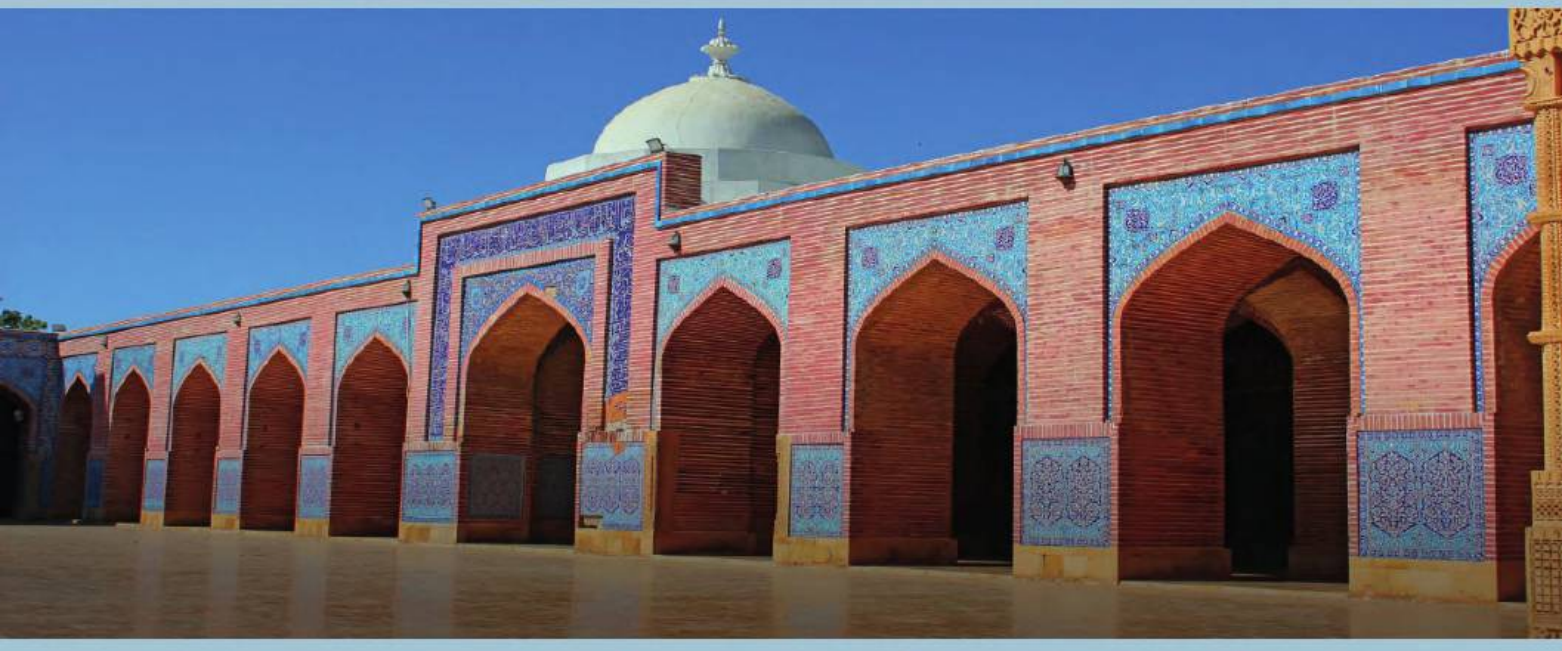

اِسلام کی عظمت کا یہ حیرت انگیز اور دِل کش شاہ کار 1648ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا تھا۔ چوں کہ یہ مسجد، مغل بادشاہ شاہ جہاں کے دورِ حکومت (1627ء تا 1656ء) میں تعمیر ہوئی تھی، اس وجہ سے اس کا نام ''شاہ جہانی مسجد'' رکھ دیا گیا۔ پختہ کاشی کار اِینٹوں سے بنائی جانے والی اس مسجد کے چھوٹے بڑے گنبدوں کی تعداد 92 ہے۔ ان گنبدوں میں تین گنبد اپنی بناوٹ کے لحاظ سے منفرد ہیں۔ ماہر کاری گروں نے یہ گنبد ایسی حیرت انگیز مہارت سے بنائے ہیں کہ اگر مسجد میں کھڑے ہو کر آواز دی جائے تو یہ آواز بغیر لاؤڈ اسپیکر کے مسجد کے ہر حصے میں سُنائی دیتی ہے۔

شاہ جہانی مسجد کے علاوہ ''مسجد خسرو'' اور ''مسجد فرخ'' بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ دونوں مساجد چوتھے مغل بادشاہ نورالدین محمد جہانگیر کے عہدِ حکومت میں تعمیر ہوئی تھیں۔

ٹھٹہ شہر سے تقریباً 8 کلومیٹر جنوب میں ایک قدیم طرز کا دفاعی حصار ''قلعہ کلاں کوٹ'' واقع ہے۔ یہ قلعہ سمہ دورِ حکومت میں تعمیر کیا گیا تھا۔ سمہ حکمران اسی قلعے میں رہا کرتے تھے۔ قلعے کے اندر قدیم طرزِ تعمیر کی ایک مسجد بھی موجود ہے۔ یہاں تین حوض بھی ہیں، جن کا طرزِ تعمیر موئن جو دڑو کے حوض (گریٹ باتھ) سے ملتا جلتا ہے۔

ٹھٹہ کی عظمت کا اعتراف اپنوں کے ساتھ ساتھ غیروں نے بھی کیا ہے۔ انگریز مؤرخ ہملٹن جو 1699ء میں ٹھٹہ آیا تھا، اپنی کتاب میں لکھتا ہے: ''یہ شہر دینیات، لسانیات اور سیاسیات کی تعلیم و تدریس کے سلسلے میں دُنیا بھر میں شہرت رکھتا ہے۔ یہاں چار سو سے زائد مدرسے اور کالج قائم کیے گئے ہیں۔''

ایک اور انگریز مؤرخ آر۔ ایچ۔ کینڈی جو 1830ء سے 1839ء تک یہاں مقیم، رہا اپنی کتاب میں لکھتا ہے: ''ٹھٹہ شہر نے سترھویں صدی عیسوی میں اپنی تیز رفتار ترقی سے اہلِ یورپ کو حواس باختہ کر دیا اور اِس طرح یہ شہر پوری دُنیا میں مشہور ہو گیا۔''

عالی شان پاکستان کا یہ تاریخی شہر عہدِ رفتہ کی تمام تر نشانیوں کے ساتھ آپ کا منتظر ہے۔ آپ کو زندگی کے ہنگاموں سے فرصت ملے تو اِس شہر کو ایک بار دیکھنے ضرور جایئے گا۔

سردار

غزالہ عزیز۔ کراچی

کالو سڑک کے بیچوں بیچ پاؤں پسارے موجود تھا، سور ہا تھا یا یوں ہی لیٹا ہوا تھا۔ جانو نے دور سے اسے دیکھا تو وہ بھی چلا آیا۔ اس کے پیچھے شیرو، سکندر اور چتکبرا، سب ہی ایک کے پیچھے ایک چلے آئے۔

''خالی سنسان سڑک پر اپنی ذاتی جاگیر کی طرح قبضہ جمانے کا مزہ ہی اور ہے۔'' کالو نے انھیں آتے دیکھا تو ہلکے سے مسکرایا۔

سب اس کے پیچھے دائیں بائیں کمر ٹکا کر بیٹھ گئے۔ شیرو اور سکندر، کالو کے قریب باڈی گارڈ کی طرح ہوش یار بیٹھے تھے، کیوں کہ کالو اُن کا سردار تھا۔ پورا سیاہ، کالا بھجنگ اور نوکیلے دانت، سارے ہی کتے اس سے ڈرتے تھے۔ ہر ایک کا ایک انوکھا نام تھا، جو کچی آبادی کے غریب بچوں نے مل جل کر رکھے تھے۔ سارے کتے اپنے ناموں کو سمجھ گئے تھے اور اُن کے پکارنے پر دوڑ کر اُن کے پاس آتے تھے کہ ہمیشہ ہی ان بچوں کے پاس انھیں کھلانے کے لیے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی تھی۔

ادھر کافی دن سے کوئی بچہ نظر نہیں آرہا تھا۔ بچہ تو چھوڑیں، کوئی بڑا بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ کتوں نے کئی دن ان کا انتظار کیا، مگر اب پھر پہلے کی طرح کھانے پینے کی چیزوں کو گلیوں اور کچرے دانوں میں ڈھونڈتے پھر رہے تھے، لیکن کوئی خاص اور مناسب چیز پیٹ بھرنے کے لیے نہیں مل پا رہی تھی۔ پولیس کی گاڑیاں ''کرونا'' سے ڈراتی پھر رہی تھیں۔ سارے کتے ان کے ہوٹر کے شور سے سڑک سے ہٹ کر اِدھر اُدھر ہو جاتے۔

رات کو کالو نے یہ سوچ کر ہی سڑک پر ڈیرہ جما لیا تھا کہ قریب کے کچرے دان میں صبح صبح کھانے کی چیزوں کو ڈھونڈ کر پیٹ بھرا جائے، لیکن صبح بھی انھیں کچھ خاص نہیں ملا۔ دوسری صبح کالو اور دوسرے کتوں کی آنکھ ہی چیلوں کی تیز آوازوں سے کھلی۔ اونچی چھتوں کی منڈیروں پر چیلیں لائن سے بیٹھی تھیں اور باری باری نیچے غوطے لگا رہی تھیں۔

ابھی ابھی کسی نے ڈھیر سارا، گوشت کی دکان اور مرغیوں کے مذبح خانے کا کچرا کوڑے کے ڈھیر پر ڈالا تھا۔ واہ واہ! کیا خوش بُو ہے۔ سارے کے سارے کتے اٹھ بیٹھے۔ وہ کالو کے ایک اشارے کے منتظر تھے، لیکن کالو کی آنکھیں دور گلی کے نکڑ پر جمی تھیں، جہاں کئی غریب بچے ہاتھوں میں تھیلیاں لیے بڑھے چلے آرہے تھے۔

منڈیروں پر بیٹھی چیلیں انھیں ڈرانے کے لیے ہی نیچے غوطے لگا رہی تھیں۔ ان کا انداز بتا رہا تھا کہ گوشت کے اس ڈھیر پر صرف ان کا حق ہے۔ بچے بھی ان کی نوکیلی چونچوں اور پنجوں سے ڈر رہے تھے۔

کچھ دیر رُک کر کالو نے ساری صورتِ حال کا غور سے جائزہ لیا۔

وہ سارا معاملہ سمجھ گیا کہ بچے اپنے لیے تھیلیوں میں گوشت لینا چاہتے ہیں، لیکن چیلوں سے ڈر رہے ہیں۔

کالو نے کتوں کو اشارہ کیا۔ انھوں نے چیلوں کو ڈرانے کے لیے منہ اوپر کر کے زور زور سے بھونکنا شروع کر دیا۔ وہ نصف دائرہ بنائے بچوں کے لیے حصار بنا کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے منہ اوپر چیلوں کی طرف تھے اور وہ مسلسل بھونک رہے تھے۔

بچے آگے بڑھ کر اپنی اپنی تھیلیوں میں چن کر مناسب سی بوٹیاں ڈالنے لگے۔ بچے غریب گھرانوں کے تھے، جن کا گزارا مشکل ہی سے ہوتا تھا۔ وہ چھوٹے موٹے کام کر کے اپنے والدین کی مدد کیا کرتے تھے۔ اب تو لاک ڈاؤن کے باعث معاملہ اور بھی مشکل تھا۔ ان کے پاس تو کھانے اور کھلانے کے لیے ویسے ہی کم ہوتا تھا اور اَب تو روز کی دِہاڑی تھی، نہ روزی اور روزگار۔

کالو نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بچوں کو چیلوں سے محفوظ بھی رکھا اور انھیں اپنی اپنی تھیلیاں بھرنے کا موقع بھی دیا، حالاں کہ ان سب کو بھی بھوک لگ رہی۔

بچے چلے گئے تو کالو نے اشارہ کیا۔ جانو، شیرو، سکندر اور چتکبرا، سب نے اپنے لیے کچھ ہڈی اور گوشت اٹھایا اور ایک کنارے ہو کر کھانے لگے۔

یہ چیلوں کے لیے اشارہ تھا کہ اب تم بھی دعوت اُڑا سکتی ہو۔ وہ بھی باری باری نیچے غوطے لگا کر اپنی اپنی چونچ میں کچھ چھیچھڑے لے کر اُڑ گئیں۔

گلی کے پاس پہنچ کر بچوں نے رُک کر پیچھے دیکھا اور مسکرانے لگے۔ ساتھ ہی شکریے کے لیے ہاتھ ہلایا۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ وفادار جانور اِحسان نہیں بھولتے اور سچے سردار سب کا خیال رکھتے ہیں۔

اللہ میاں!

کاوش صدیقی۔ لاہور

''تو پھر کب ملنے کا پروگرام ہے؟'' تقویم نے تمیم سے پوچھا۔

''پرسوں اسکول کی چھٹیاں ختم ہو رہی ہیں، پھر ملتے ہیں ان شاء اللہ!'' تمیم نے کہا۔

''اور ہاں، میں تمھیں اپنی نئی کتابیں بھی دکھاؤں گا جو میں نے اس دوران میں خریدی ہیں۔'' تمیم نے بتایا۔

''کون سی کتابیں؟'' تقویم نے فوراً پوچھا۔

''کہانیوں کی کتابیں۔ بہت مزے مزے کی کہانیاں ہیں ان میں۔'' تمیم نے کہا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ مجھے بھی کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے۔'' تقویم نے کہا۔ ''پھر ملتے ہیں ان شاء اللہ!''

''ان شاء اللہ!'' تمیم نے بھی جواب دے کر فون بند کر دیا۔

تمیم اور تقویم، دونوں ہم جماعت تھے اور آٹھویں میں ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ طویل موسم گرما کی چھٹیوں کا جہاں گھومنے پھرنے، کھیلنے، لمبی تان کر سونے کا اپنا ہی مزہ تھا، وہیں مزے دار کہانیاں پڑھنے کا الگ ہی چسکا تھا۔ تمیم کو نصابی کتابوں کے علاوہ دیگر کتابیں پڑھنے کا شوق بھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا ذخیرۂ الفاظ اور اندازِ گفتگو ایسا تھا کہ اس سے باتیں کر کے ذرا بھی بوریت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔

کتاب چاہے اردو کی پڑھیں یا انگریزی کی، ان سے نہ صرف معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، بل کہ گفتگو میں بھی اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ معلومات اور ذخیرہ الفاظ میں روز بروز اضافہ ہونا ہے، ورنہ اکثر لوگ تو چند منٹ بعد ہی ہر دو چار جملوں کے بعد کہنا شروع کر دیتے ہیں: ''ہاں بھئی اور سناؤ۔'' ''ہاں بھئی، پھر کیا ہوا۔'' ''اچھا اور کیا ہوا؟''

اس کا مطلب صریحاً یہی ہوتا ہے کہ اب بات کرنے کو الفاظ نہیں مل رہے، جب کہ تقویم باتیں کرتا تھا تو جی چاہتا تھا کہ وہ بولتا رہے اور سنتے رہیں۔

چھٹیاں ختم ہوتے ہی جیسے گہما گہمی کا آغاز ہو گیا۔ تمیم، تقویم، آصف، توقیر، ارشد، سب آپس میں مل کر بہت خوش ہوئے اور گزری چھٹیوں کی تفصیل ایک دوسرے کو بتانے لگے۔

ارشد نے کہا:

''میں تو اپنے گاؤں گیا ہوا تھا۔ وہاں ٹیوب ویل کے ٹھنڈے ٹھنڈے پانی میں خوب نہایا، پھر درختوں کی چھاؤں اور مزے دار

آم۔ چھٹیاں گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔''

''صحیح کہتے ہو.....'' توقیر نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ ''میں نے بھی اس دوران میں کمپیوٹر کلاسز جوائین کر لی تھیں اور تھوڑا سا ڈیزائننگ کا کام سیکھا۔''

''یہ تو بہت اچھا ہے۔'' تمیم نے کہا۔ ''تمھیں تو نت نئے ڈیزائن بنانے میں خوب مزہ آتا ہوگا؟''

''بالکل۔'' توقیر نے مسکرا کے کہا۔

''اور آصف! تم نے کیا سیکھا؟'' تمیم نے پوچھا اور پھر سب ہی صف کی طرف دیکھنے لگے۔

''میں نے .....'' آصف نے کہا۔ ''میں نے معارف الحدیث پڑھی اور اپنے پیارے نبی ﷺ کی باتوں کو یاد کیا اور اُن پر عمل کرنے کا عہد کیا۔''

اس سے پہلے کہ مزید بات چیت ہوتی، آدھی چھٹی ختم ہونے کی گھنٹی بجنے لگی۔ سبھی طالب علم کمرہ جماعت کی طرف دوڑ پڑے۔

اردو کے استاد صاحب نے بتایا کہ اسکول میں بزمِ ادب کی کمیٹی بنائی جارہی ہے۔ اس کمیٹی میں جو لڑکے شریک ہونا چاہیں، وہ اپنے نام لکھوائیں اور بتائیں کہ وہ کس طرح کام کریں گے اور اسکول کے اداریے، کہانی یا نظم میں کس طرح حصہ لیں گے، پھر ان کے پروگرامز کو تمام طلبہ کے سامنے رکھا جائے گا اور تمام طلبہ کی رائے لی جائے گی۔ جسے طلبہ سب سے زیادہ ووٹ دیں گے وہ بالترتیب صدر اور جنرل سیکرٹری وغیرہ بنے گا۔

''سر یہ تو الیکشن ہو رہا ہے۔'' تمیم نے کہا۔

''بالکل۔'' سر غفران نے کہا۔ ''اس طرح تم سب کو اپنے اپنے نقطۂ نظر کو بیان کرنے کا موقع ملے گا اور لڑکوں کو تمھارے پروگراموں کو سمجھنے میں آسانی ہوگی، پھر وہ ووٹ دیں گے۔''

''سر! اس سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟'' آصف نے پوچھا۔

''اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ جنھیں آپ اپنی رائے سے کوئی عہدہ دیتے ہیں وہ کیا کام کرتے ہیں۔ اگر وہ اچھا کام کریں گے تو آپ کے فیصلے سے کام آگے بڑھیں گے۔ بین الاضلاعی اسکول مقابلے میں آپ کے اسکول کا نام روشن ہوگا اور اگر آپ نے غلط لوگوں کو چنا تو کام خراب ہوں گے اور آپ کا فیصلہ غلط ثابت ہوگا اور اُس کا نقصان مجموعی طور پر پورے اسکول کو ہوگا۔'' سر غفران نے سمجھایا۔

تمیم نے کہا: ''یعنی کہ ہم صحیح فیصلے سے ہی کام کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔''

''درست سمجھے۔'' سر غفران نے کہا۔ ''تو پھر کون کون اپنے نام لکھوانا چاہتا ہے؟''

بزمِ ادب کے الیکشن میں سب سے زیادہ مصروفیت تمیم کی تھی۔ جو جو اُمیدوار تھے صدر اور جنرل سیکرٹری کے عہدے کے، وہ سب تمیم سے اپنی تقریر لکھوا رہے تھے۔

پھر ایک دن تمیم سے شمیم ملا۔ وہ بھی صدر کے لیے الیکشن میں حصہ لے رہا تھا۔ اس نے تمیم سے کہا: ''تم بہت اچھی تقریریں لکھتے ہو، میرے لیے بھی تقریر لکھ دو۔''

''مگر میں تو دوسرے پینل کے لیے تقریر لکھ رہا ہوں۔''

''تو کیا ہوا؟'' شمیم نے جواب دیا ''تمھیں تو صرف لکھنا ہے، تمھیں تو خود الیکشن میں حصہ تو نہیں لینا۔''

''اور کیا!'' شمیم کے ساتھ کھڑے لڑکے شمشاد نے کہا، جو جنرل سیکرٹری کے لیے امیدوار تھا۔ ''تمھیں تو بس لکھنا ہی ہے، ہم کون سا تم سے ووٹ مانگ رہے ہیں؟''

''اچھا.....'' تمیم سوچنے لگا۔ واقعی بات تو درست تھی۔

شمیم نے اسے سوچ میں ڈوبے دیکھ کر کہا: ''ہم کسی کو بتائیں گے تھوڑی کہ تم نے ہمیں بھی تقریر لکھ کر دی ہے۔''

''اچھا۔'' تمیم مطمئن ہوگیا۔ اسے بہت خوشی ہو رہی تھی کہ وہ دونوں گروپ کے لیے کتنا اہم ہے۔ اس نے ہامی بھر لی۔ شمیم اور شمشاد خوش ہو کر چلے گئے۔

گھر آکر تمیم نے تقریر تیار کرنا شروع کر دی۔ پہلے اس نے اپنے گروپ کے توقیر کے لیے تقریر لکھی، پھر اُس نے شمشاد اور شمیم کے لیے تقریر لکھی، پھر دونوں کو پڑھا۔ دونوں ہی میں بہت اچھی باتیں تھیں۔ وہ مطمئن ہو کر سو گیا۔

.....☆.....

جوں جوں الیکشن کے دن قریب آرہے تھے، مقابلے کا زور اور طلبہ میں شوق اور جذبات بڑھتے جارہے تھے۔ دونوں فریق اپنے اپنے پروگرام پیش کر رہے تھے اور لڑکے دونوں کی ہی تقریریں کو سن رہے تھے۔

''یہ لو، مزے دار چاٹ ہے۔'' آصف نے آلو چنے کی چٹ پٹی چاٹ کی پلیٹ تمیم کی طرف بڑھائی۔

''واہ.....'' تمیم نے جلدی سے ایک چمچ بھر کے منہ میں ڈالا اور پھر فوراً سی سی کرنے لگا۔

''کیا ہوا؟'' آصف نے پوچھا۔

''بہت مرچیں ہیں بھئی۔'' تمیم نے کہا۔

''ہاں چٹ پٹی ہے، مجھے تو مزہ آرہا ہے۔'' توقیر نے کہا۔

''مگر میری زبان میں بہت جلن ہورہی ہے۔'' تمیم نے کہا: ''میں نہیں کھا رہا۔''

''جیسے تمھاری مرضی۔'' توقیر نے کندھے اچکائے۔

''لاؤ، مجھے دیدو۔'' تقویم نے چنا چاٹ کی پلیٹ تمیم سے لے لی۔

دو تین دن سے تمیم کے منہ میں چھالے ہورہے تھے۔ زبان پر کوئی چیز رکھی ہی نہیں جارہی تھی۔ نہ گرم چائے، نہ سالن، نہ چنا چاٹ۔ ہر چیز زبان کو لگتی تھی۔

.....☆.....

شام کو امی نے اس کی زبان دیکھی جو بہت عجیب سی ہورہی تھی۔

''اے ہے۔ یہ تو چھالوں سے بھری پڑی ہے۔ دیکھو، بیچ میں سے کیسی پھٹی پھٹی ہورہی ہے۔'' وہ پریشان ہوگئیں۔

ابو نے کہا: ''لگتا ہے، معدے میں گرمی ہوگئی ہے جس کی وجہ سے زبان میں چھالے نکل آئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ فوراً ڈاکٹر کو دکھایا جائے۔''

''جی ابو!'' تمیم نے کہا۔ ''بہت تکلیف ہورہی ہے۔ مجھ سے تو بولا بھی نہیں جارہا۔''

''چلو، شام کو چلتے ہیں۔'' ابو نے پیار سے کہا۔

''یہ لو، دہی کھالو۔ صبح سے تم نے کچھ نہیں کھایا۔'' آپی نے اسے دہی میں چینی ملا کر دیتے ہوئے کہا۔

مگر نجانے کیسے دانے اور چھالے نکلے تھے زبان میں کہ ذرا سی کھٹی میٹھی چیز بھی جلن کررہی تھی۔

حال آں کہ دہی اور وہ بھی ٹھنڈا اور میٹھا دہی تمیم کو بہت پسند تھا۔

شام کو ابو تمیم کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اچھی طرح معاینہ کرتے ہوئے کہا:

''لگتا ہے انفیکشن ہوگیا ہے۔ ایک تو اپنے گلاس کے علاوہ کوئی اور گلاس استعمال نہ کرو اور یہ دوا لگاؤ۔ ٹھیک ہوجاؤ گے ان شاءاللہ!''

وہ دوا لے کر گھر چلے آئے۔

مگر دوا کے باوجود کوئی فرق نہیں پڑا۔ اور زبان کے چھالے بڑھتے ہی رہے۔

اب تو تمیم سے بولا بھی نہیں جارہا تھا۔

دوسری طرف اسکول میں انتخابات کا دن آرہا تھا، مگر زبان کی تکلیف کی وجہ سے آج تمیم اسکول نہ جاسکا، کیوں کہ اسے بخار بھی تھا۔

شام کو آصف اس سے ملنے آیا۔

''کیا بات ہے، اسکول کیوں نہیں آئے؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ دیکھو۔'' تمیم نے اسے زبان دکھائی جو دانوں اور چھالوں سے بھری ہوئی تھی۔

''یہ ٹھیک نہیں ہورہی، اوپر سے بخار بھی تھا۔'' بڑی مشکل سے تمیم نے بتایا، پھر آہستہ سے پوچھا:

''الیکشن کا کیا حال ہے؟''

''الیکشن پرسوں ہے، مگر لڑکے پریشان ہیں کہ کسے چنیں؟''

''مگر کیوں؟'' تمیم نے اشارے سے پوچھا۔

''شاید اس لیے کہ دونوں کے پروگرامز بہت اچھے ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا، حالاں کہ ایک طرف کے پینل کے لڑکے بھی اچھے نہیں۔ مار کٹائی، گالم گلوچ ان کی عادت ہے۔ کرکٹ ہو یا فٹ بال، سب میں ہی لڑتے ہیں، مگر تقریریں ایسی زبردست کہ کیا بتائیں۔''

''اچھا۔'' تمیم نے آہستہ سے کہا۔

''سب ہی شمیم اور شمشاد کی تقریروں پر حیران ہیں۔'' آصف نے کہا اور اُسے دیکھنے لگا۔

''مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟'' تمیم نے پوچھا، مگر اندر سے جیسے وہ خوف زدہ ہوگیا تھا۔

آصف نے پوچھا: ''سچ سچ بتاؤ، کیا تم نے شمیم اور شمشاد کو تقریریں لکھ کر دی ہیں؟''

''کیا مطلب؟'' تمیم نے غصے سے کہا ''تم سے کس نے کہا؟''

''کسی نے نہیں۔'' آصف نے کہا ''میں نے اندازہ لگایا ہے، کیوں کہ میں تمھارے اندازِ تحریر اور جملوں سے خوب واقف ہوں، مگر تم نے یہ نہیں سوچا کہ وہ لوگ اپنے کردار اور برتاؤ میں کیسے ہیں!''

تمیم کچھ بولا نہیں۔ بس سر جھکائے بیٹھا رہا۔ اس کا انداز صاف بتا رہا تھا کہ آصف کا اندازہ درست ہے۔

آصف نے کہا:

''تمھیں ایک بات بتاؤں؟''

''کیا؟'' تمیم نے اس کی طرف دیکھا۔

''شاید تمھاری زبان کی تکلیف بیماری نہیں، بل کہ تمھارے لیے تنبیہ اور وارننگ ہے۔''

''کیا مطلب!؟'' تمیم نے پوچھا۔ اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔

''میں تمھیں ایک حدیث سناتا ہوں۔'' آصف نے کہا۔

''ہمارے پیارے رسول مقبول ﷺ کی حدیث پاک کو ایک صحابی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ 'دنیا میں جو دورُخا ہوگا (اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کرے گا) قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی'۔''

(عمدۃ القاری البر والصلۃ ما قیل فی ذی الوجھین)

آصف یہ کہہ کر چپ ہوگیا۔

تمیم کا سر جھکا ہوا تھا، پھر وہ بولا:

''مگر میں نے تو خود کچھ نہیں کہا۔ بس تقریریں ہی تو لکھ کر دی ہیں۔''

''تمھارے لفظ تمھاری زبان ہی تو ہیں۔'' آصف نے کہا۔ ''تم نے شمیم اور شمشاد کو جانتے ہوئے بھی کہ وہ کیسے ہیں، اچھا بنا کر پیش کیا۔ تم نے اپنے ساتھیوں سے بھی دھوکا کیا اور یہی منافقت ہے کہ جہاں جاؤ اور جس کو دیکھو اُس جیسی ہی بات کرو۔

''شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔'' تمیم نے کہا۔ ''واقعی میں نے غلط کیا۔ اب میں کیا کروں؟''

''تم اپنے ساتھیوں سے معافی مانگو، مگر.....'' نے کہا۔ ''مگر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو۔''

آصف تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی مغرب کی اذان ہونے لگی۔ تمیم اٹھا۔ اس نے وضو کیا اور نماز ادا کرنے لگا، پھر اُس نے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگی۔ اس کا دل ہلکا ہوگیا۔

اپنی خطا کو تسلیم کر لینے سے انسان چھوٹا نہیں، بل کہ اونچا ہو جاتا ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کل کی آخری تقریر وہ شمیم اور شمشاد کو لکھ کر نہیں دے گا، بل کہ اپنے گروپ سے معافی بھی مانگے گا۔

اسی وقت شازیہ شامی کباب اور چائے لے کر آ گئی اور سامنے بیٹھ کر کھانے لگی۔

''مجھے بھی دو۔'' تمیم کا جی للچایا۔

''لیجیے۔'' شازیہ نے کبابوں کی پلیٹ آگے بڑھا دی۔

تمیم نے جلدی سے ایک کباب اٹھا کر منہ میں رکھ لیا اور کھانے لگا۔

''بھائی! آپ کو جلن نہیں ہو رہی؟'' شازیہ نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں۔'' تمیم منہ چلاتے چلاتے رک گیا۔ اس نے زبان کو منہ میں چاروں طرف گھمایا مگر اُسے جلن کا احساس نہیں ہوا۔

تمیم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، پھر وہ رونے لگا۔

شازیہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا اور پوچھا: ''کیا بات ہے بھائی! آپ کیوں رو رہے ہیں؟''

تمیم نے اسے دیکھا، مگر چپ رہا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا اللہ پاک کتنے اچھے ہیں، اِدھر توبہ کرو اُدھر قبول ہو جائے۔ واقعی اللہ تعالیٰ ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہیں۔ اپنے ہر بندے پر نگاہ رکھتے ہیں۔ اس کے اعمال اور افعال کو جانتے ہیں۔''

اللہ میاں! آپ کتنے اچھے ہیں!'' بے ساختہ تمیم کے منہ سے نکلا۔

☆اونچائی پر بلا مقصد چڑھنے والے کو گرنے کا خوف رہتا ہے۔

☆وقت پر کیا گیا ہر کام اچھا رہتا ہے۔

☆ہر جگہ ایک چیز کے لیے مقرر کرو اور ہر چیز کو ایک خاص جگہ پر رکھو۔

☆پرہیز علاج سے بہتر ہے۔

☆ہر کام میں ہاتھ ڈالنے والا کسی کام میں ماہر نہیں ہوتا۔

☆معاف کر دینا سب سے بہترین بدلہ ہے۔

☆خدا اُن کی ہی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

☆کبھی بے وقوف دوست سے عقل مند دشمن بہتر ہوتا ہے۔

(مسز عذرا جمیل۔اسلام آباد)

☆جب کسی قوم کا بزرگ تمھارے پاس آئے تو تم اس کی عزت کرو۔

☆جس میں برداشت کی قوت نہیں، وہ سب سے زیادہ کم زور اور سب سے زیادہ بے وقوف ہے۔

☆جو تمھارے سامنے دوسروں کی بُرائی کرتا ہے وہ دوسروں کے سامنے تمھاری بُرائی بھی کر سکتا ہے۔

☆برتاؤ ایک آئینہ ہے جس میں ہر شخص اپنا عکس دیکھ سکتا ہے۔

☆کسی انسان کے ساتھ جب کوئی نیکی نہ کر سکو تو اُس کی برائیوں ہی سے صرف اسے مطلع کرتے رہو۔

☆مخلص وہ ہے جو اپنی نیکیوں کو بُرائی کی طرح مخفی رکھے۔

☆بُروں سے نیکی کرنا اچھوں کا کام ہے اور اچھوں سے بُرائی کرنا بُروں کا کام ہے۔

☆تلوار کا اثر جسم پر ہوتا ہے اور بُری بات کا روح پر۔

☆ فقر لوگوں کے نزدیک عیب ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زینت کی چیز۔ (حافظ محمد طلحہ۔حیدر آباد)

☆مسکراہٹ وہ تجارت ہے جس میں کوئی سرمایہ نہیں لگتا۔

☆مسکراہٹ میں نفع ہی نفع ہے۔ لینے والے کے لیے بھی اور دینے والے کے لیے بھی۔

☆مسکراہٹ وقت نہیں لیتی، لیکن اس کی یاد سالہا سال تک رہتی ہے۔

☆مسکراہٹ وہ نعمت ہے جو خریدی اور چوری نہیں کی جا سکتی۔

☆مسکراہٹ بخشتے رہو، تمھاری جیب خالی نہیں ہوگی۔

☆دوستوں کو کھو دینا غریب الوطنی سے بدتر ہے۔

☆نیک دل انسان دشمن سے بھی نیکی کرتا ہے۔

☆خاموشی دانا کا زیور اور احمق کا بھرم ہوتی ہے۔

☆باہمت لوگ کبھی نہیں ہارتے، یا تو وہ جیت جاتے ہیں یا کچھ سیکھ جاتے ہیں۔

☆اگر حالات پر آپ کی گرفت مضبوط ہو تو زہر اُگلنے والے بھی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

☆اپنا کبھی چھوڑ کر نہیں جاتا اور جو چھوڑ کر چلا جائے وہ اپنا نہیں ہوتا۔

☆تعریف کا بھوکا انسان کبھی صلاحیت مند نہیں ہو سکتا۔

(حافظ محمد اشرف، زہرہ بلال۔حاصل پور)

☆دین کے معاملے میں ان لوگوں پر نظر رکھ جو دین میں تم سے بالاتر ہوں۔(ترمذی)

☆ دنیا کے معاملے میں اپنے سے کم تر اور خستہ حال بندوں پر نظر رکھو اور اللہ کا شکر ادا کرو۔(ترمذی)

☆ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالو، جس کی کل تمھیں معذرت اور جواب دہی کرنی پڑے۔

(مسند احمد)

(حافظ محمد معاذ مدنی۔رحیم یار خان)

بکھرے موتی

قارئین

جھوٹوں کے جھوٹے ۸

۱۔ مسیلمہ کذاب

حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور

اس کی اس بات کا ان پر کیسے اثر ہوتا، جب کہ وہ خود بھی بھاگ رہا تھا۔ نتیجہ یہ کہ فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ان کے پیچھے ایک بہت بڑا قلعہ نما باغ تھا، مسیلمہ اور اُس کی پوری فوج اس باغ میں داخل ہوگئی اور دروازہ بند کرلیا۔ اس باغ کے گرد بہت مضبوط چار دیواری تھی۔ یہ باغ اصل میں مسیلمہ کا قلعہ تھا اور مسیلمہ خود کو یمامہ کا رحمٰن کہا کرتا تھا۔ اس نے اس باغ کا نام بھی رحمٰن کا باغ رکھا ہوا تھا۔ اس قلعہ نما باغ کا دروازہ بند ہونے پر مسلمان وہاں پہنچے اور اُنھوں نے باغ کو گھیرے میں لے لیا۔ اب سوال یہ پیدا ہو کہ اندر کیسے داخل ہوا جائے۔ اس وقت حضرت براء بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عجیب و غریب تجویز پیش کی۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''مسلمانو! تم لوگ مجھے اٹھا کر جھولا دو اور قلعے کی دیوار سے اونچا اچھال دو۔ میں دوسری طرف جا گروں گا اور اِن شاء اللہ! دروازہ کھول دوں گا۔''

یہ تجویز اِنتہائی خطرناک تھی، اس پر عمل کرنا تقریباً ناممکن تھا، اس لیے مجاہدین نے انکار کر دیا اور بولے: ''ہم ایسا نہیں کریں گے۔ دوسری طرف مسیلمہ کذاب کا لشکر موجود ہے، وہ آپ پر ٹوٹ پڑے گا۔''

''نہیں، ایسا نہیں ہوگا، تم لوگ مجھے اچھال دو۔ اللہ نے چاہا تو میں دروازہ کھول دوں گا۔''

مسلمانوں نے بار بار اِنکار کیا، مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پُرزور اِصرار پر تیار ہوگئے اور اُنھیں اوپر اچھال دیا۔ وہ دیوار کے اوپر سے ہوتے ہوئے دروازے کے قریب ہی دشمنوں کے اوپر جا گرے۔ دشمنوں میں اس اچانک افتاد سے بھگدڑ مچ گئی۔ کچھ لوگوں کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حملہ کر کے ہٹا دیا۔ دشمن ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ یہ آدمی کیا کرے گا کہ اتنی دیر میں براء بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی ہی پھرتی سے قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی مسلمان اندر داخل ہوگئے۔ انھوں نے اندر داخل ہوتے ہی مرتدوں پر حملہ کر دیا اور اُنھیں قتل کرنے لگے۔ کچھ ہی دیر میں شکست کھائی ہوئی فوج ایک بار پھر پسپا ہونے لگی۔

ایسے میں حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کام دکھایا۔ یہ نیزہ پھینکنے کے بہت ہی ماہر تھے۔ یہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے۔ غزوۂ احد میں ان کے ہاتھوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوگئے تھے۔ انھوں نے اپنی نیزہ پھینکنے کی مہارت سے کام لے کر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا، کیوں کہ یہ غلامی سے آزادی چاہتے تھے۔ اس کے بعد وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ کے موقع پر اِسلام لے آئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے چچا کے قتل کا جرم معاف فرما دیا تھا۔

آج اسی نیزہ پھینکنے کے فن کو اِستعمال کرتے ہوئے وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسیلمہ کذاب کو دیکھتے ہی تاک کر اُس پر نیزہ پھینکا۔ وہ نیزہ اس کے جسم میں داخل ہوگیا اور مسیلمہ کذاب اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ مسیلمہ کذاب کے جہنم رسید ہوتے ہی اس کی فوج تتر بتر ہوگئی۔ مسلمان انھیں قتل کرتے ہوئے

بقیہ صفحہ نمبر: ۴۰

ایک مخفی دنیا

ڈاکٹر عاصم بھروچہ۔ کراچی

''Lost World'' یا ''گم شدہ دنیا'' کہانی کی ایک ایسی صنف ہے جس میں ایسی جگہ کے بارے میں لکھا جاتا ہے جو اَب تک لوگوں سے چُھپی ہوئی ہو۔ ایسی ہی ایک جگہ کی کہانی پیشِ خدمت ہے۔

سلیم جس جہاز میں سوار تھا وہ خرابی کے باعث تباہ ہوگیا تھا۔ وہ تجارت کی غرض سے چین سے روس جارہا تھا۔ سوائے چند ایک لوگوں کے سب کی نعشیں دریافت ہوگئی تھیں۔ سلیم بھی دریافت نہ ہونے والوں میں شامل تھا۔ یہ بات دنیا والوں کے لیے یقینی تھی کہ جہاز کے ملبے میں لگنے والی آگ کے بعد کوئی بھی زندہ نہیں بچا۔ سوات کے رہائشی سلیم کے گھر میں آہوں اور سسکیوں کی آوازوں نے ایک عجیب افسردہ ماحول بنادیا تھا۔ نہ کوئی تدفین نہ کوئی نام ونشان، صرف ایک گہرا اور قوی ہوتا یقین کہ سلیم اپنے مالک حقیقی سے جاملا ہے اور ساتھ ہی ایک مدہم سی روشنی کہ شاید سلیم بچ نکلا ہو، مگر اُن سے ہزاروں میل دور سلیم ان سب خیالات سے بے نیاز اِنسانوں کی تلاش میں تھا کہ شاید کوئی اسے آکر بچا لے۔

منگولیا کہ پہاڑوں پر پرواز کرتے ہوئے جب جہاز کا دروازہ اچانک کھلا تو سلیم نے سیٹ بیلٹ نہیں لگایا ہوا تھا اور وہ ہوا کے ساتھ جہاز سے باہر نکل گیا تھا۔ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ اس کی اسی بے احتیاطی سے وہ بچ گیا تھا۔ وہ کہاں گرا؟ کیسے گرا؟ اور اتنی بلندی سے گر کر کیسے بچ گیا؟ اسے نہیں معلوم تھا۔ اسے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ جہاز تمام افراد سمیت گر کر تباہ ہوگیا ہے۔

جب اسے ہوش آیا تو اُس کا جسم زخموں اور درد سے چُور ہورہا تھا، مگر محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کوئی خطرناک چوٹ نہیں لگی تھی اور تمام ہڈیاں سلامت تھیں۔ رات قریب تھی۔ سردی بڑھ رہی تھی۔ اس نے ایک غار نما جگہ میں پناہ لے لی۔ وہ بھوک اور درد کی شدت سے نڈھال آخر نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ اچانک کسی جانور کے غرانے کی آواز سے اٹھا اور دیکھا تو باہر نکلنے کے راستے پر کوئی جانور کھڑا تھا۔ اندھیرے میں وہ اس جانور کو پہچان نہ پایا، مگر خوف زدہ ہوکر اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارنے لگا۔ اچانک نیچے کی نرم مٹی نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور وہ نیچے پھسلتا چلا گیا۔ سلیم نے بڑی مشکل سے ایک ٹہنی پکڑ کر خود کو روکا اور پھر حیران رہ گیا۔

یہ تو زمین کے نیچے ایک نئی دنیا آباد تھی۔ بڑے بڑے درخت، دیوہیکل لوگ، نہریں، اور غار کے نیچے کی زمین میں اوپر کی طرف چمکتے ہوئے ایسے پتھر کہ جیسے ستاروں کی جگہ آسمان پر سینکڑوں چاند ہوں۔ ایک بچے کی سلیم پر نظر پڑی تو اُس نے بڑوں کی توجہ سلیم کی جانب دلائی۔ بڑے

اُس کے پاس آئے۔ وہ ان لوگوں سے چھپنا اور بھاگنا چاہتا تھا، مگر اُس کے آس پاس کوئی ایسی جگہ نہیں تھی۔

ان لوگوں نے اسے شفقت کے ساتھ اٹھایا اور آبادی کی جانب لے گئے۔ زیرِ زمین اس دنیا میں عجیب وغریب جانور، پھل پھول اور باغات تھے۔ وہ لوگ آپس میں عجیب زبان میں بات چیت کررہے تھے، جس کا لہجہ چینی اور پشتو کا ملاپ تھا۔ وہ لوگ مہمان نواز تھے اور اُنھوں نے کافی عرصے سلیم کو ساتھ رکھا۔ خوب خدمت کی، حتیٰ کہ اس کے زخم اور تکلیف ٹھیک ہوگئی۔

اب سلیم کچھ کچھ ان کی زبان سمجھنے لگ گیا تھا۔ وہ اس بات پر حیران تھا کہ سائنس دان جیسا سمجھتے ہیں، زیرِ زمین تو ویسا کچھ بھی نہیں۔ یہ لوگ بیس بیس فٹ لمبے کیسے ہیں۔ یہ کس طرح کی کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ ان پتھروں سے چاند جیسی روشنی کیسے نکلتی ہے۔ ایسے پھل اور جانور زمین کی سطح پر کیوں نہیں، مگر وہ ان اجنبیوں کے بیچ تنہا تھا، اب اداسی اور گھر کی یاد اُسے ستانے لگی تھی۔ آخر ایک دن وہ اُس جگہ کی تلاش میں نکل پڑا جہاں سے وہ اس مخفی دنیا تک پہنچا تھا۔ ان لوگوں کے ایک بزرگ نے اسے روک کر واپس جانے کی وجہ پوچھی۔ اس نے اپنے دل کا حال ان کے سامنے رکھ دیا۔ ان بزرگ نے سلیم کو بتایا کہ وہ پہلا شخص نہیں جو حادثاتی طور پر اِس دنیا میں آیا ہے، اور باہر جانے کا بہتر راستہ یہاں سے نہیں، بل کہ کہیں اور سے ہے۔

کئی دن کی مسافت کے بعد وہ لوگ اس جگہ پہنچے۔ اس نے اپنے محسنوں سے آخری ملاقات کی اور پھر ایک ہفتے کا زادِ راہ لے کر وہ ایک پہاڑ پر چڑھنا شروع ہوگیا۔ تین دن کے سفر کے بعد وہ پہاڑ کی اونچائی پر پہنچا تو وہاں اسے انسانی ہڈیاں ملیں۔ اسے کچھ خوف سا محسوس ہوا، کیوں کہ یہاں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ غالباً یہ وہ لوگ تھے، جنھیں واپس زمین پر جانا تھا، مگر یہاں کھدائی کی صحیح جگہ نہ ڈھونڈ پائے۔

سلیم نے ہمت نہ ہاری اور نرم مٹی ڈھونڈ کر اُوپر کلہاڑا چلانے لگا۔ دو دِن کی محنت کے بعد نرم مٹی نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور اچانک بہت سے پتھر گرنے لگے۔ تب سلیم کی سمجھ میں آیا کہ باقی لوگ شاید اِس وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں۔

خیر، اب سلیم اپنے گھر پر ہے اور اُمید کا ٹمٹماتا ہوا چراغ نا اُمیدی کے اندھیروں کو ختم کر چکا ہے۔ سچ ہے کہ جہاں دُور دُور تک روشنی نہ ہو وہاں ایک لو بھی راستہ دکھا دیتی ہے۔

بقیہ: جھوٹوں کے جھوٹے

دور تک ان کے پیچھے بھاگے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدان جنگ کا معاینہ کیا اور لاشوں کے ڈھیر میں مسیلمہ کذاب کی لاش کو دیکھ کر اطمینان کا اظہار کیا۔

اس روز کے بعد سے اس باغ کو ''رحمٰن کا باغ'' کے بجائے ''موت کا باغ'' کہا جانے لگا اور اسی نام سے یہ مشہور ہوگیا۔ تاریخ کی کتب میں بھی اس باغ کو ''موت کا باغ'' ہی لکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسیلمہ کذاب کے دس ہزار سے زائد آدمی اس باغ میں مارے گئے تھے، جب کہ مسلمانوں میں سے صرف بارہ سو شہید ہوئے تھے۔

مرتدوں کے ساتھ جتنی بھی لڑائیاں لڑی گئیں، یہ ان سب میں سب سے سخت لڑائی تھی۔ اس جنگ میں بڑے نام وَر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شہید ہوئے، لیکن مسیلمہ کذاب اس وقت اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اس کے خلاف یہ ایک فیصلہ کن جنگ تھی۔ اس جنگ کے بعد مسلمانوں کے قدم جزیرۃ العرب پر جم گئے۔ اب کسی میں بھی مدینہ منورہ پر حملہ کر کے قبضہ کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ اسلامی فوج فتح کا پرچم لہراتی جب مدینہ منورہ میں داخل ہوئی تو مدینہ منورہ کا چپہ چپہ مبارک باد کی آوازوں سے گونج اٹھا، کیوں کہ یہ جنگ صرف مدینہ منورہ کے لیے ہی نہیں، بل کہ مدینے کے والی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی ختم نبوت کی حفاظت کے لیے بھی لڑی گئی تھی۔

مسیلمہ کذاب کی موت کے بعد اُس کا قبیلہ بنی حنیفہ صدقِ دل سے دوبارہ اسلام میں داخل ہوگیا۔ ان کا ایک وفد بھی مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ آیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضری دی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے خوش آمدید کہا اور اس کی عزت وتکریم کی۔

(.....جاری ہے.....)

ماخذ:

جھوٹے نبیوں کا انجام (سید ارتضیٰ علی کرمانی)

مسیلمہ کذاب سے دجال قادیان تک (جانباز مرزا)

بائیس جھوٹے نبی (نثار احمد خان فتحی)

جھوٹے نبی (ابوالقاسم رفیق دلاوری)

خلافت راشدہ، قدم بہ قدم (عبداللہ فارانی)

باٹا پور (لاہور) کے مقام پر حق و باطل کا معرکہ زور و شور سے جاری تھا۔ ولولہ انگیز نعروں..... مشین گنوں کی تڑتڑاہٹ..... بموں اور گولوں کے دِل دھلا دینے والے دھماکوں اور گرد و غبار نے عجیب سا سماں پیدا کر رکھا تھا۔ پاک فوج اپنے دیرینہ دشمن کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار کا رُوپ دھار چکی تھی۔ پاکستانی جاں بازوں نے اپنے ملک و قوم کی خاطر اپنا تن، من، دھن، سب کچھ قربان کر دینے کا عزم کر رکھا تھا۔

چھے اور سات ستمبر کی درمیانی رات پاک فوج نے ''بی۔ آر۔ بی'' (بمبانوالہ راوی بیدیاں) نہر کے تمام پُل اُڑا دیے تھے، اب صرف ایک پُل باقی رہ گیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اب دشمن کے لاہور میں داخلے کے لیے واحد راستہ

اب یہی پُل رہ گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ڈوگرئی گاؤں پر طوفانی یلغار کے ذریعے قبضہ کرنے کے بعد دشمن کی تمام مشین گنوں اور توپوں کا رُخ باٹا پور پُل کی طرف ہو گیا تھا۔ ''بنیا'' ہر قیمت پر اس پُل کو تباہ ہونے سے بچانا چاہتا تھا۔ بصورتِ دیگر اُسے وہیں ٹھہرنا پڑتا جہاں وہ اس وقت دکھائی دے رہا تھا۔ ''بی۔ آر۔ بی'' نہر کے آگے لڑنے والی پاک فوج میں ایک سپاہی محمد حیات بھی تھا، جسے ٹریننگ سینٹر سے ''پاس آؤٹ'' ہونے کے بعد فوری طور پر محاذِ جنگ پر بھیج دیا گیا تھا۔

ایک موقع پر جنگی حکمت عملی کے تحت اچانک پاکستانی جاں بازوں کو پیچھے آنے کا حکم دیا گیا۔

''محمد حیات! آؤ، ہم بھی پیچھے نکلنے کی کوشش کریں۔'' سپاہی محمد حیات کے ساتھ مورچہ بند ساتھی نے کہا۔

''نہیں، محمد حیات اب کسی قیمت پر بھی پیچھے نہیں جائے گا!'' سپاہی محمد حیات کا لہجہ فیصلہ کُن تھا۔

''کیوں؟'' ساتھی نے استفساریہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''علی خان!'' سپاہی محمد حیات اپنے ساتھی کو مخاطب کرتے ہوئے قدرے غصے سے بولا: ''کیوں کے سوال میں نہ الجھو۔ اگر پیچھے ہی ہٹانا تھا تو پھر مجھے اسلحہ کیوں دیا گیا تھا۔ میرے پاس ابھی پوری چالیس گولیاں موجود ہیں۔ جب تک یہ تمام گولیاں دشمن پر فائر نہیں ہو جاتیں۔ میں مورچہ نہیں چھوڑوں گا۔ ہاں، اگر تم پیچھے جانا چاہو تو جا سکتے ہو، میں تمھیں روکوں گا نہیں۔''

''محمد حیات! کیا تم نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے؟'' سپاہی علی خان کی نظریں سپاہی محمد حیات کے پُرعزم چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''ہاں، بالکل سوچ سمجھ کر۔'' سپاہی محمد حیات نے جواب دیتے ہوئے سوال بھی کر دیا: ''کیا تمھیں کوئی شک ہے؟''

''نہیں، شک تو نہیں ہے۔'' سپاہی علی خان نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو پھر کیا ہے؟'' سپاہی محمد حیات نے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں، لیکن میرا مشورہ ہے کہ ایک بار پھر سوچ لو۔'' سپاہی علی خان نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''زیادہ دیر تک اور بار بار سوچنے سے فیصلے کم زور ہو جایا کرتے ہیں علی خان!'' سپاہی محمد حیات معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اس لیے میں دوبارہ نہیں سوچوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فیصلے پر مرتے دَم تک قائم رکھے گا۔ چلو، اب تم جاؤ۔''

سپاہی علی خان خاموشی سے مورچے سے باہر نکل گیا۔ اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ سپاہی محمد حیات نے پتھر پر لکیر کھینچ دی ہے، اب وہ کسی صورت بھی پیچھے نہیں جائے گا۔ کچھ دیر بعد سپاہی محمد حیات کے مورچے کے دائیں بائیں موجود تمام مورچے خالی ہو چکے تھے۔

.....☆.....

آہاہاہاہا..... آخ خ خ خ خا..... ہاہاہاہا..... آہاہاہاہا! بالآخر ہم نے دشمن کو مورچے چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ جنرل چودھری کی ''سینا'' (فوج) سے ٹکر لینا آسان کام نہیں، ہزار بار سوچنا پڑتا ہے!'' ڈوگرئی گاؤں کے سب سے محفوظ مورچے میں چھپا دشمن فوج کا مکروہ شکل کرنل زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''آپ نے بالکل ٹھیک کہا سر! اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟'' کرنل کے سیکنڈ اِن کمانڈ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''پروگرام.....'' دشمن کرنل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ہاں، اب

میرا پروگرام یہ ہے کہ ہم ان مورچوں پر بھی قبضہ کریں گے۔ تم ایسا کرو کہ ''انفینٹری'' (پیدل فوج) کے پچاس جوان لے کر اُن مورچوں تک چلے جاؤ۔''

''سر! مم..... مم..... میں ل ل ل؟'' سیکنڈ اِن کمانڈ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

''ہاں تم! ڈرنے کی ضرورت نہیں، اب وہاں کوئی نہیں ہے، دشمن تمام مورچے خالی کر گیا ہے۔ فکر نہ کرو، ہم تم لوگوں کو مکمل ''کور'' دیں گے۔'' کرنل نے اپنے نائب کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

''او کے سر! میں جاتا ہوں، لیکن مجھے اور میرے جوانوں کو پورا پورا ''کور'' دیجیے گا۔'' سیکنڈ اِن کمانڈ نے نہ چاہتے ہوئے بھی پاکستانی مورچوں تک جانے کی ہامی بھر لی، لیکن اندر سے وہ بہت خوف زدہ تھا۔

''میں نے کہا نا، تم اس کی فکر نہ کرو۔'' دشمن کرنل مکروہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا: ''جاؤ اور وہاں پہنچتے ہی مجھے ''او کے'' کی رپورٹ دینا نہ بھولنا۔''

''رائٹ سر!'' سیکنڈ اِن کمانڈ نے کہا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا مورچے سے باہر نکل گیا۔

.....☆.....

سپاہی محمد حیات کی عقابی نظریں ڈوگرئی گاؤں پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ کسی بھی ممکنہ خطرے سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ کئی دشمن سپاہی رائفلیں تانے آہستہ آہستہ پاک فوج کے چھوڑے ہوئے مورچوں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ وہ کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر تاک تاک کر مشین گن کا ٹریگر دبانے لگا۔ اگلے لمحے گنتی شروع ہوگئی: ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھے۔ فائرنگ کی آواز سن کر اور اپنے آگے جاتے ساتھیوں کو گرتے دیکھ کر پیچھے آنے والے دشمن سپاہیوں نے تیزی سے اِدھر اُدھر بکھر کر پوزیشنیں لے لیں۔

''سر! آپ تو کہتے تھے دشمن کے تمام مورچے خالی ہو چکے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر ہم پر یہ فائرنگ کون کر رہا ہے؟ میرے چھے جوان مر گئے ہیں سر!'' سیکنڈ اِن کمانڈ وائرلیس سیٹ پر چیخ رہا تھا۔

''اُلّو، بکواس بند کرو۔'' جواب میں دشمن فوج کے کرنل کی غصیلی آواز سنائی دی۔ ''ابھی تمھارے چھے جوان مرے ہیں، چوالیس ابھی باقی ہیں۔ ہوش یاری سے آگے بڑھو اور مورچوں میں جو دو چار دشمن فوجی ہیں انھیں ختم کر دو، جب تک کام ختم نہ ہو جائے وائرلیس پر مجھے تمھاری آواز سنائی نہیں دینی چاہیے، سمجھے؟''

''رائٹ سر! او کے سر!'' سیکنڈ اِن کمانڈ نے وائرلیس سیٹ کی طرف شعلہ بار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اپنے اردگرد کھڑے سپاہیوں سے بولا: ''بھگوان جنرل چودھری کا بیڑا غرق کرے، جس نے بیٹھے بٹھائے ہم سب کو مصیبت میں پھنسا دیا۔''

''سر! آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن کیا کریں، اب تو ہم سب جنگ کے جال میں بُری طرح پھنس گئے ہیں۔ بھگوان جانے کب اس مصیبت سے ہماری جان چُھوٹے گی؟'' ایک دشمن سپاہی نے کہا۔

''سر! مجھے تو یہاں سے اپنا زندہ بچ کر دوبارہ دہلی جانا ممکن نظر نہیں آتا!'' ایک اور سپاہی اپنے دل میں موجود خدشے کو زبان پر لے آیا۔

''فکر نہ کرو، بھگوان ہم سب کی رَکشا کرے گا۔ چلو، اب ''کرالنگ پوزیشن'' میں آجاؤ اور احتیاط سے آگے بڑھو۔'' سیکنڈ اِن کمانڈ لرزتی آواز میں بولا۔

دشمن سپاہی آہستہ آہستہ اپنی طرف سے بڑی احتیاط سے آگے بڑھنے لگے۔ سیکنڈ اِن کمانڈ سب سے پیچھے تھا۔

اُدھر سپاہی محمد حیات بھی غافل نہ تھا۔ ماحول پر یک دم طاری ہونے والی خاموشی کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ اب وہ بھی ممکنہ حملے کا جواب دینے کے لیے ذہنی طور پر بالکل تیار تھا اور پھر جوں ہی پچاس گز کے فاصلے پر کھڑے درختوں کے قریب پہنچ کر دشمن سپاہی حملہ کرنے کے لیے ایک ساتھ کھڑے ہوئے، سپاہی محمد حیات کی مشین گن آگ اگلنے لگی اور گنتی کا عمل دوبارہ شروع ہوگیا: ''سات، آٹھ، نو، دس، گیارہ، بارہ، تیرہ، چودہ، پندرہ، سولہ، اور پھر گنتی چالیس پر آکر رُک گئی۔ سپاہی محمد حیات کے مورچے سے پچاس گز کے فاصلے پر بکھرے چونتیس وجود اور اُن سے کچھ دُور پیچھے پڑے چھے مزید دشمن سپاہیوں کے لاشے اس کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھے کہ اس نے ایک گولی بھی ضائع نہیں کی تھی۔ چالیس گولیاں اور چالیس لاشیں! سپاہی محمد حیات نے اس اعتماد کو آخری گولی فائر کرنے تک بحال رکھا تھا جو ملک اور قوم نے اس پر کرتے ہوئے اسے میدان جنگ میں اُتارا تھا۔ شیر دِل سپاہی محمد حیات کی مشین گن اب خاموش تھی، لیکن وہ اس حالت میں بھی دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ جوں ہی اسے احساس ہوا کہ اس کے مورچے کو گھیرے میں لے لیا گیا ہے، وہ مشین گن کو اُس کے منہ کی طرف سے پکڑ کر سامنے آنے والے دشمن سپاہیوں میں سے دو چار کو اُس کا ''بٹ'' مارنے کے لیے تیار ہوگیا۔

''چلو، اب تم لوگ مورچے سے باہر نکل آؤ، تمھاری کہانی ختم ہوگئی ہے۔'' سیکنڈ اِن کمانڈ نے گرجنے کی کوشش کی، لیکن آواز اس کے گلے کا ساتھ چھوڑ گئی!

سپاہی محمد حیات اچانک اچھل کر مورچے سے باہر نکلا اور نہایت باوقار انداز میں دشمن فوجی افسر اور اُس کے سپاہیوں کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

''اوروں کو بھی کہو، مورچے سے باہر نکل آئیں۔''

''میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں تھا!'' سپاہی محمد حیات نے کہا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' سیکنڈ اِن کمانڈ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اندر تمھارے ساتھی موجود ہیں، جس طرح تم نے خاموشی سے مورچہ چھوڑ دیا ہے، انھیں بھی کہو کہ وہ بھی مورچے سے باہر آجائیں۔''

''مسلمان جھوٹ نہیں بولتا۔ تمھیں اگر میری بات پر یقین نہیں ہے تو اپنے سپاہیوں سے کہو کہ وہ مورچے دیکھ کر تصدیق کردیں۔'' سپاہی محمد حیات نے نہایت پُرسکون انداز میں کہا۔

دشمن سپاہیوں نے تمام مورچے اچھی طرح دیکھے، لیکن ان میں سے کسی ایک مورچے میں بھی کوئی پاکستانی سپاہی موجود نہیں تھا۔

''سر! یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' ایک دشمن سپاہی بولا۔

''اسے پکڑو اور وہ سامنے درخت سے باندھ دو۔ اس کے بعد میں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے؟'' سیکنڈ اِن کمانڈ نے غیر یقینی انداز میں سپاہی محمد حیات کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے دس زندہ بچ جانے والے سپاہیوں کو حکم دیا، لیکن اس سے پہلے کہ کوئی بھارتی سپاہی آگے بڑھتا سپاہی محمد حیات نے انتہائی پُھرتی سے ہاتھ میں پکڑی مشین کا ''بٹ'' اپنے قریب کھڑے دو دشمنوں کے منہ پر مارا، اگلے لمحے ان دونوں نے اپنی رائفلیں پھینک کر دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ پکڑ لیا۔

دشمن سپاہی اور اُن کا کمانڈر پہلے تو کچھ نہ سمجھ سکے کہ یک دم یہ کیا ہوگیا ہے؟ لیکن فوراً ہی انھوں نے مشترکہ حملہ کر کے سپاہی محمد حیات کو قابو کرلیا۔ اس کے بعد اُنھوں نے اس پاکستانی جاں باز کو ایک درخت سے اچھی طرح باندھ دیا اور پھر اپنے کمانڈر کے اشارے پر تین اطراف سے رائفلوں کی سنگینیں تان کر سپاہی محمد حیات کی طرف بڑھے۔ سپاہی محمد حیات کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلنے لگے، وہ کچھ پڑھ رہا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آٹھ سنگینیں اس کے جسم کے مختلف حصّوں میں اتر گئیں اور سپاہی محمد حیات نے بڑے صبر کے ساتھ اپنی حیات اپنے مالک کے حوالے کردی۔ آج اس نے اپنی مٹی کا وہ قرض اتار دیا تھا جو وہ ایک عرصے سے اپنے ضمیر کے کندھوں پر اُٹھائے پھر رہا تھا!

دعا

ارسلان اللہ خان۔ حیدرآباد

ہمیں نیک بننے کا جذبہ عطا کر
الٰہی! تو ہم سب کو تقویٰ عطا کر

ہمارے گناہوں کو تُو معاف کردے
ہمارے دلوں کو بھی تُو صاف کردے

ہیں جتنے بھی مومن انھیں ایک کردے
خُداوند سب ہی کو تو نیک کردے

ہمیں عافیت کر عطا یا الٰہی!
تو فتنوں سے ہم کو بچا یا الٰہی!

جو بیمار ہیں اُن کو مولیٰ شفا دے
جو گم راہ ہیں ان کو رستہ دکھا دے

جو تجھ سے نہ مانگیں تو کس در پہ جائیں
سوا کون تیرے سُنے التجائیں

ہمیں غیب سے اپنے روزی عطا کر
فقط اپنے دَر ہی پہ رکھ تُو جھکا کر

یہی بے نوا ارسلانؔ کی دعا ہے
یہی التجا ہے ، یہی مُدعا ہے

نئے لکھاری

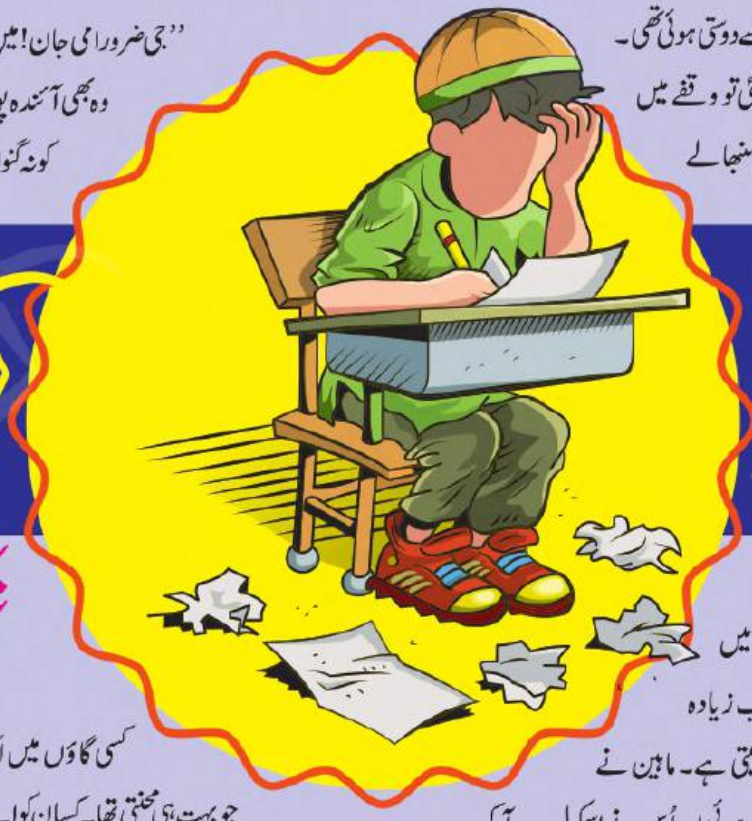

آدھی نماز

عریشہ بنت حبیب الرحمن ۔ کراچی

''امی جان! میں نے آج اسکول میں اپنی نئی دوست نادیہ بنائی ہے۔''

''واہ! آج پھر ایک نئی دوست بن گئی۔'' امی نے ہنستے ہوئے ماہین سے کہا۔

''نہیں امی! وہ بہت اچھی ہے۔'' ماہین نے امی کو ہنستے ہوئے دیکھ کر کہا۔

روزانہ ماہین اسکول سے آکر اِطلاع دیتی کہ آج میں نے فلاں دوست بنائی اور آج اس کی نادیہ سے دوستی ہوئی تھی۔

اگلے دن جب ماہین اسکول گئی تو وقفے میں نادیہ اور ماہین اپنے اپنے ٹفن بکس سنبھالے باتوں میں مصروف تھیں۔

اچانک باتوں کے دوران میں نادیہ نے ماہین کو بتایا کہ اسے جب زیادہ کام ہوتا ہے تو وہ آدھی نماز پڑھ لیتی ہے۔ ماہین نے آدھی نماز کا سنا تو اُسے بہت حیرت ہوئی اور اُس نے اسکول سے آکر اپنی امی سے پوچھا:

''امی جان! کیا آدھی نماز پڑھ سکتے ہیں؟''

ماہین کی امی کام میں مصروف تھیں، اچانک یہ سوال سن کر چونک پڑیں۔ انھوں نے نرمی سے پوچھا:

''کیوں بیٹا! کیا آپ آدھی نماز پڑھتی ہو؟''

''نہیں نہیں، امی! میں تو الحمد للہ پوری نماز پڑھتی ہوں۔ دراصل میری دوست نادیہ نے آج مجھے بتایا کہ اسے جب زیادہ کام ہوتا ہے یا کہیں جانا ہوتا ہے تو وہ آدھی نماز پڑھتی ہے اور سنت غیر مؤکدہ اور نوافل چھوڑ دیتی ہے۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟''

''بیٹا! کوئی کام بھی یقیناً وہ ادھورا نہیں چھوڑتی ہوگی، جیسے آپ بھی اسکول کا کام مقررہ وقت پر جلدی جلدی کرتی ہیں، کیوں کہ اگلے دن ٹیچر کو لازمی دکھانا ہوتا ہے اور آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ نامکمل کام دیکھ کر اُنھیں غصہ آئے گا۔

اسی طرح جب دنیاوی کام ادھورے نہیں چھوڑ جاتے تو نماز جو کہ عبادت ہے، پوری پڑھنی چاہیے اور ظاہر سی بات ہے کہ آدھی نماز پڑھنے پر ثواب بھی آدھا ہی ملتا ہے۔ آپ یہ بات اپنی دوست کو لازمی بتائیے گا۔'' امی نے ماہین سے کہا۔

''جی ضرور امی جان! میں یہ بات نادیہ کو لازمی بتاؤں گی، تاکہ وہ بھی آئندہ پوری نماز پڑھے اور اپنے آدھے ثواب کو نہ گنوائے۔'' ماہین نے عزم کے ساتھ کہا۔

نیک دل بچہ

نام پتا معلوم نہیں۔

کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اس کا ایک بیٹا تھا جو بہت ہی محنتی تھا۔ کسان کو اپنے بیٹے سے بہت محبت تھی۔ کسان کے بیٹے کا نام ببلو تھا۔ اس کے بہت سارے دوست تھے۔ عباس اس کا بہترین دوست تھا۔

بچو! ایک دن کیا ہوا! ببلو نہر کے پاس گیا تو اُس کی نظر نہر کے کنارے ریت پر بیٹھی ایک خوب صورت سی چڑیا پر پڑی جو رو رہی تھی۔ ببلو کو چڑیا بہت پیاری لگی اور اُس سے رونے کی وجہ پوچھی تو چڑیا بولی:

''میں نے اپنے گھونسلے میں انڈے دیے تھے۔ آج ان میں سے ننھے منے بچے نکلے۔ میں بہت خوش ہوئی اور اُن کے لیے دانہ پانی لینے گئی، مگر جب واپس آئی تو کسی نے میرے بچے اٹھا لیے تھے۔'' یہ کہہ کر وہ

پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ببلو کو ننھی چڑیا پر بہت ترس آیا۔ وہ بولا:

''بی چڑیا! یہ تو کسی کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔ آخر کون تمھارے بچے لے جاسکتا ہے؟''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' چڑیا روتے ہوئے بولی۔

''اچھا، میں تمھارے بچے ڈھونڈنے کی کوشش کروں گا۔'' ببلو نے کہا۔

''دن بھر ببلو اِدھر اُدھر چڑیا کے بچے ڈھونڈتا رہا، مگر اُسے کام یابی نہ ہوئی۔ آخر کار تھک ہار کر وہ گھر آ گیا۔ گھر آ کر اُسے ''چوں چوں'' کی آواز سنائی دی۔ غور کرنے پر پتا چلا کہ آواز اُس کے پڑوس سے آ رہی ہے۔

پڑوس میں اس کا دوست عباس رہتا تھا۔ وہ جلدی سے عباس کے گھر گیا اور عباس سے پوچھا:

''یار! تمھارے گھر سے یہ کیسی آوازیں آ رہی ہیں؟''

''کون سی آوازیں؟'' عباس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''چوں چوں کی۔''

''ارے یار! وہ آج نہر کے کنارے درخت پر گھونسلا دکھائی دیا، اس میں چڑیا کے بچے تھے، بس میں اٹھا لایا۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ مجھے پرندے پالنے کا کتنا شوق ہے۔''

ببلو کو اُس کی اس حرکت پر بہت افسوس ہوا اور اُسے ان کی ماں کی بیتابی کا بتایا:

''یار! تم تو بچے اٹھا لائے، مگر یہ نہیں سوچا کہ ان کی ماں پر کیا گزر رہی ہوگی۔ کیا تم استانی صاحبہ کا وہ سبق بھول گئے جس میں انھوں نے بتایا تھا کہ حسنِ سلوک صرف انسانوں ہی سے نہیں، بل کہ جانوروں، پرندوں، یہاں تک کہ پیڑ پودوں سے بھی کرنا چاہیے۔''

پھر ببلو نے اسے نہر کے کنارے چڑیا سے ملاقات کے متعلق بتایا تو عباس بولا:

''یار! مجھے تو خیال ہی نہیں آیا کہ میں نے اتنی بڑی غلطی کر دی۔ میں ابھی چڑیا کے بچے اسی جگہ پر رکھ کر آتا ہوں اور چڑیا سے معافی بھی مانگوں گا۔''

پھر عباس، ببلو کے ساتھ چڑیا کے بچے رکھنے اور معافی مانگنے گیا۔ چڑیا اپنے بچے پا کر بے حد خوش ہوئی اور ببلو کا اُس کے بچے لانے پر شکریہ ادا کیا۔ عباس اور ببلو بھی خوش خوش اپنے اپنے گھروں کو ہو لیے۔

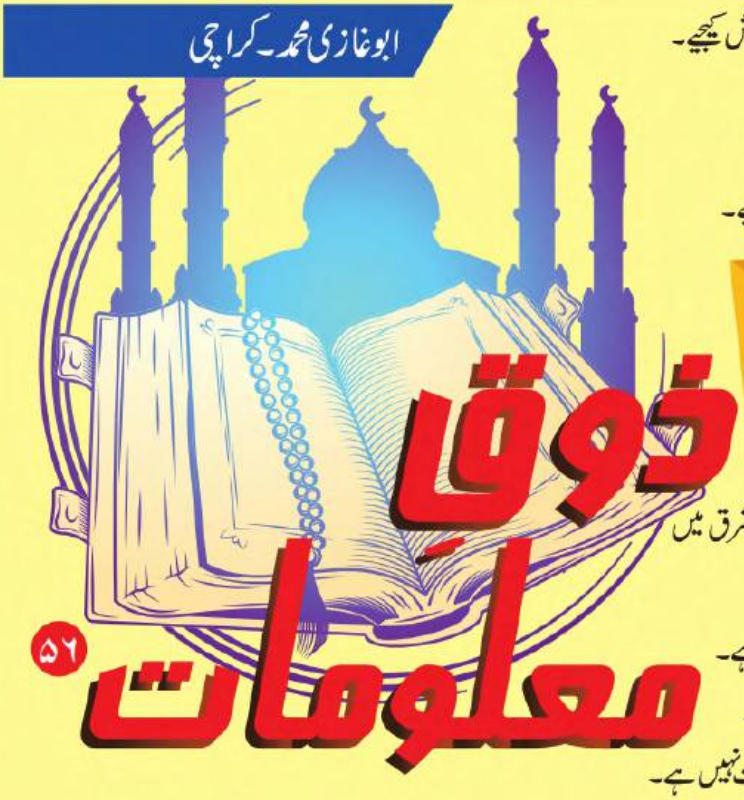

ابوغازی محمد۔ کراچی

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔ آپ کا جواب **30** ستمبر تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

یہ کیا ہے؟

۱ یہ ملک براعظم شمالی افریقہ میں واقع ہے۔ اس ملک کے شمال میں شام، شمال مشرق میں عراق، جنوب مشرق میں سعودی عرب اور مغرب میں اسرائیل واقع ہے۔

۲ اس ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور یہاں مسلمانوں کا تناسب 96 فی صد ہے۔

۳ اس ملک کی سرکاری زبان عربی اور اِس ملک میں رائج کرنسی ''دینار'' کہلاتی ہے۔

۴ اس ملک میں طرزِ حکومت بادشاہت ہے، جب کہ اس ملک میں کوئی سیاسی جماعت نہیں ہے۔

۵ اس ملک کے قومی ترانے کا عنوان ہے: ''شاہ کی عمر دراز ہو!''۔

۳

بچو! اس کا نام بتانا

آواز نرالی

جماعت اول تک کے بچے اس پہیلی کو بوجھ کر اس کا درست جواب ارسال کریں۔ بذریعہ قرعہ اندازی درست جوابات بھیجنے والوں میں سے تین پیارے بچوں کے گھر والوں کو انعام دیا جائے گا۔ جواب ۳۰ ستمبر ۲۰۲۰ء تک ہمیں موصول ہو جانا چاہیے۔

پانی میں لہراتی جائے
آسانی سے ہاتھ نہ آئے

ریشم جیسے "پَر" ہیں اُس کے
پانی میں ہی گھر ہیں اُس کے

دن ہو یا شب، جاگتی جائے
"پیر" نہیں پر بھاگتی جائے

ہاتھ میں لو تو اُچھلے، تڑپے
پانی کی جانب ہی لپکے

بچو! اُس کا نام بتانا
کیا کہتا ہے اُس کو زمانہ

ریحان طائر۔ کراچی

بھولنا نہیں.....

فرہاج صلاح الدین۔ کراچی

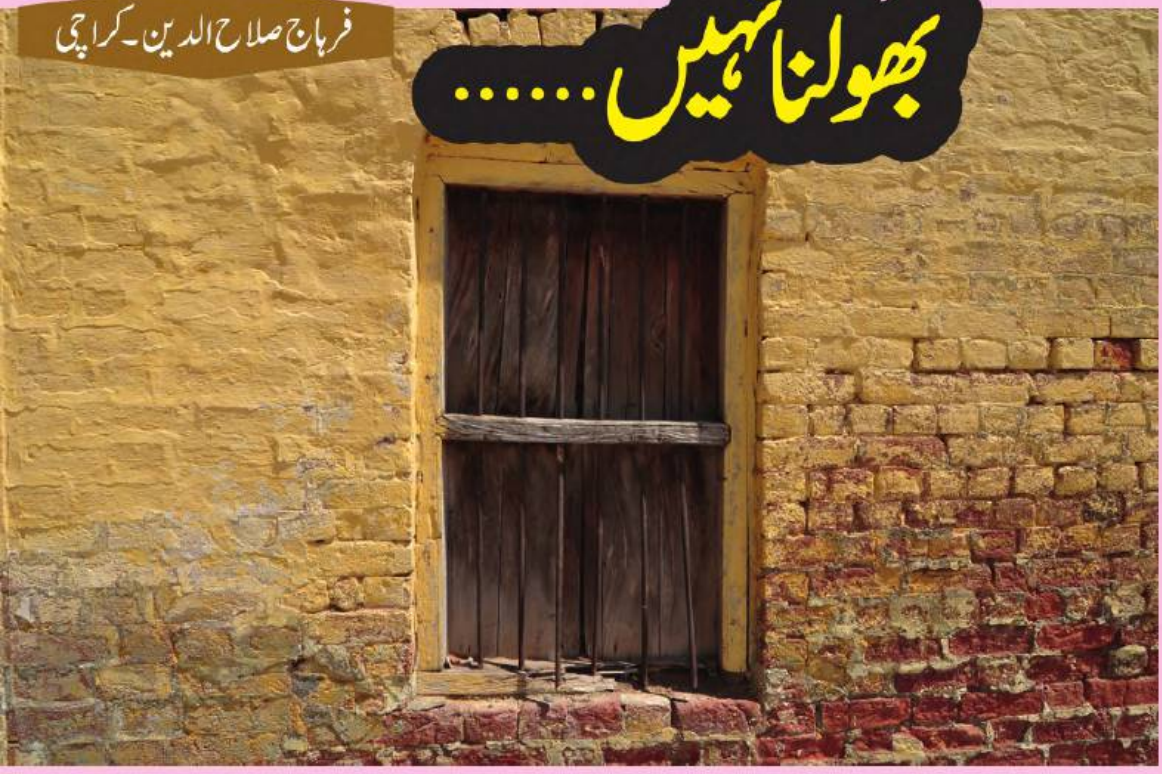

''بیٹا! جلدی کرو۔''

''جی ابو! بس.....بس، تیار ہوگیا۔''

ہر گھر کی طرح سلیم صاحب کے گھر میں بھی یہ معمول ہے کہ صبح کے وقت اسکول جانے کے لیے ہنگامہ ہوتا ہے۔ کبھی ناشتے میں دیر تو کبھی یونی فارم کی گم شدگی اور کبھی عین موقع پر جرابیں نہ ملنا۔

سلیم صاحب کے یہاں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ دوسرے گھروں میں مائیں اپنے بچوں کو تیار کرتی ہیں اور یہاں صبیح کی والدہ کے انتقال کے بعد اُس کے ابو ناشتا تیار کرتے ہیں۔

صبیح کی والدہ ایک بیماری میں مبتلا ہوکر اِس دنیا سے رخصت ہوگئی تھیں۔

سلیم صاحب صبیح کا خاص خیال رکھتے۔ صبح پہلے صبیح کو تیار کرتے، پھر اُسے ناشتا دے کر اِسکول روانہ کرتے، پھر خود ناشتا کرکے آفس جاتے۔ شام کو گھر واپس آنے تک انھیں صبیح کا خیال رہتا۔ بعض اوقات وہ صبیح کو فون کرکے اس سے رابطہ بھی کر لیتے تھے۔ پڑوس کی خالہ صبیح کو بہت پسند کرتی تھیں، دوپہر کے وقت کبھی وہ صبیح کے پاس آجاتی تھیں اور کبھی صبیح کو اپنے پاس بلا لیا کرتی تھیں۔

حسبِ معمول صبح کے وقت صبیح تیار ہوکر اِسکول کے لیے باہر نکلا تو اُس کے ابو نے اسے کہا:

''بیٹا! گھر سے جب بھی باہر نکلو تو باہر نکلنے کی دعا پڑھنا نہ بھولنا۔''

ابو کی یاددہانی پر صبیح نے ہلکی آواز سے دعا پڑھی:

''بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ!''

دعا سُن کر ابو کو اطمینان ہوا۔ صبیح کے ذہن میں یہ سوال گردش کرتا رہتا تھا کہ ابو روز اُسے یہ دعا کیوں پڑھنے کا کہتے ہیں۔ آج صبیح نے اپنے ابو سے پوچھ ہی لیا:

''ابو جان! میں روزانہ پابندی سے دعا پڑھ لیتا ہوں، لیکن آپ پھر بھی دروازے کے باہر آکر مجھے دعا پڑھنے کا کیوں کہتے ہیں؟''

ابو صبیح کی بات سن کر مسکرائے اور کہنے لگے:

''آج شام آفس سے آنے کے بعد اِس کی وجہ بتاؤں گا۔''

صبیح اسکول سے آنے کے بعد ابو کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب ابو آئے تو وہ ان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

''بیٹا! میں سمجھ گیا۔''

یہ کہہ کر ابو نے صبیح کو اپنے مزید قریب کرلیا۔

''بیٹا! جب آپ گھر سے باہر جاتے ہو تو مجھے کچھ خوف سا رہتا ہے، اسی لیے میں اپنے سامنے آپ سے دعا پڑھنے کا کہتا ہوں۔''

کچھ دیر ابو خاموش رہے، پھر بولے:

''بیٹا! میں آپ کو اپنا ایک سچا واقعہ سناتا ہوں، اس واقعے کی وجہ سے مجھے آپ کی طرف سے ڈر لگا رہتا ہے۔''

''وہ کیا ابو!؟'' صبیح نے پوچھا۔

''بیٹا! جب میں آپ کا ہم عمر تھا تو ایک دن شام کے وقت دودھ لینے کے لیے دکان پر گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک دوسری دکان کے باہر کافی رش لگا ہوا ہے۔ مجھے تجسس ہوا، قریب جا کر دیکھا کہ بہت سارے لوگ کھڑے بندر کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ چھوٹے بڑے، ہر عمر کے لوگ بہت دل چسپی سے بندر

کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر کے لیے میں بھی وہاں کھڑا ہو گیا۔ میں سب سے پیچھے کھڑا تھا، پھر آہستہ آہستہ میرے پیچھے بھی کچھ لوگ آ کر کھڑے ہو گئے۔''

''ابو! پھر کیا ہوا؟''

''پھر مجھے محسوس ہوا ایک آدمی میرے بالکل پیچھے کھڑا ہو گیا ہے۔ اس نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ اچانک اس نے پہلے ایک ہاتھ سے میرا منہ بند کیا اور دوسرے ہاتھ سے چادر میرے اوپر ڈال دی۔''

''اف خدایا! ابو! انھوں نے آپ کے ساتھ ایسا کیوں کیا تھا؟''

ابو کی بات سنتے ہوئے صبیح پر خوف کے اثرات نظر آ رہے تھے۔

''بیٹا! وہ لوگ اغوا کار تھے۔ انھوں نے مجھے کوئی چیز سونگھائی اور میں نیم بے ہوش ہو گیا۔ وہ پورا ایک گروپ تھا۔ انھوں نے خاموشی سے مجھے ایک گاڑی میں ڈالا اور اُس کے بعد مجھے کچھ پتا نہ چلا کہ مجھے کہاں لے گئے۔ میرے آنکھ کھلی تو میں ایک بند کمرے میں تھا اور میرے ساتھ کچھ دوسرے بچے بھی کمرے میں موجود تھے۔ وہ سب خوف زدہ تھے۔''

کہتے کہتے ابو کچھ دیر کے لیے ٹھہر گئے۔ انھیں ابھی بھی وہ واقعہ اچھی طرح یاد تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی کتاب سے پڑھ کر سُنا رہے ہیں۔

''ابو! وہاں پر دوسرے بچے کہاں سے آئے تھے؟'' صبیح نے سوال کیا۔

''بیٹا! وہ بچے بھی میری طرح مختلف علاقوں سے اغوا کر کے لائے گئے تھے۔ بعض بچے اپنے والدین کو یاد کر کے رو رہے تھے۔ ان میں سے ایک بچے نے روتے ہوئے بتایا:

'میں تو اپنی امی کے ساتھ بازار میں سبزی خریدنے گیا تھا۔ رش کی وجہ سے میرا ہاتھ امی سے چھوٹ گیا۔ امی سبزی والے کو رقم دے رہی تھیں، اتنے میں دو آدمی مجھے اپنی موٹر سائیکل پر بٹھا کر لے گئے۔'

دوسرا بچہ کہنے لگا:

'میں شام کے وقت میدان میں کرکٹ کھیلنے گیا تھا۔ امی نے کہا بھی تھا کہ مغرب سے پہلے واپس آ جانا، لیکن میں کھیل میں ایسا مگن ہو گیا تھا کہ مجھے مغرب کی اذان کا پتا چلا، نہ نماز کا.....'' کہتے کہتے بچہ چپ ہو گیا اور زار و قطار رونے لگا۔ میں نے اسے تسلی دی تو وہ مزید کہنے لگا:

''میں جب میدان سے باہر نکلا تو گلیوں میں سناٹا ہو رہا تھا اور آہستہ آہستہ اندھیرا بڑھ رہا تھا، اتنے میں دو آدمی مجھے اپنے پاس بلانے لگے۔

ان کے حلیے اور لہجے سے مجھے کچھ شک ہوا تھا، لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی میں ان کے پاس چلا گیا اور.....'

'اور کیا ہوا؟' کسی بچے نے پوچھا۔

'اور.....اس کے بعد پتا نہیں، میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔''

سلیم صاحب یہاں تک سنا کر خاموش ہو گئے۔

''ابو! اس کے بعد کیا ہوا؟''

''پہلے کچھ کھا لیتے ہیں، اس کے بعد باقی واقعہ سناؤں گا۔ آپ کو بھوک لگ رہی ہو گی۔''

سلیم صاحب کو خیال آیا کہ صبیح کو بھوک لگ رہی ہو گی۔ وہ باورچی خانے سے کھانا نکال کر لائے۔ دونوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا۔

صبیح بے تاب ہو رہا تھا کہ ابو سے مزید واقعہ سنا جائے۔

''ابو! بتائیں نا، پھر کیا ہوا؟''

ابو مسکرا کر بولے:

''اس کے بعد ہم سب لڑکوں نے اس کمرے سے بھاگنے کا منصوبہ بنایا۔''

''ابو! وہ کیسے؟''

''بھئی، پہلے ہم نے کمرے کی اندر کی طرف سے کنڈی لگائی اور پھر میں نے اپنے کندھے پر ایک لڑکے کو کھڑا کر لیا، اُس نے کھڑکی کو زور لگا کر کھول دیا۔ اس طرح ایک ایک کر کے لڑکے میرے کندھے پر چڑھ کر کھڑکی سے کودنے لگے۔ سب سے آخر میں، میں رہ گیا تو ایک لڑکے نے باہر سے ہاتھ کا سہارا دے کر مجھے بھی نکال لیا۔ اس طرح ہم لوگ رات کے اندھیرے میں سڑک تک پہنچ گئے۔''

''ابو! اغوا کاروں کو آپ لوگوں کے بھاگنے کا پتا نہیں چلا؟'' صبیح نے سوال کیا۔

''نہیں، وہ لوگ دوسرے کمرے میں بے خبر سو رہے تھے۔ ہم لوگ جب شہر کی طرف آئے تو ہم نے سب سے پہلے پولیس کو اِطلاع دی۔ پولیس بھی کافی عرصے سے ان کی تلاش کر رہی تھی۔ پولیس نے اسی وقت چھاپا مار کر اُن سب کو گرفتار کر لیا۔''

''ابو! یہ تو بہت اچھا ہوا، اب وہ لوگ کبھی کسی بچے کو اِغوا نہیں کریں گے۔'' صبیح پُر جوش انداز میں بولا۔

''ہاں بیٹا! لیکن میرا یہ واقعہ سنانے کا مقصد یہ تھا کہ ہمیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہنے کے لیے دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے، خاص طور پر گھر سے باہر نکلتے وقت دعا ضرور پڑھنی چاہیے۔''

''ابو! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اب تو میں اور بھی زیادہ دعاؤں کا اہتمام کروں گا۔''

صبیح نے کہا اور پھر اپنے ابو کے ساتھ سونے کے لیے چلا گیا۔

سوال آدھا جواب آدھا ۱۲

الطاف حسین۔ کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۰ ستمبر تک ارسال کر دیجیے، ہم آپ کو اس کا انعام روانہ کر دیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو انعام سے نوازا جائے گا۔ کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

❶ قرآن مجید کی ''سورۂ توبہ'' واحد سورت ہے جس کا آغاز ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' سے نہیں..... بتائیے وہ کون سی سورت ہے جس کے درمیان بھی ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' آتی ہے؟

❷ ''غزوۂ بدر'' کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جنگی حکمتِ عملی کی تجاویز حضرت حباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیش کی تھیں، جو تمام کی تمام منظور فرمالی گئی تھیں..... بتائیے ''غزوۂ خندق'' کے موقع پر خندق کھود کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی تجویز کس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیش کی تھی؟

❸ ''سالِ عیسوی'' وہ سال ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیدائش کے دِن سے شمار کیا جاتا ہے..... بتائیے ''سالِ ہجری'' کس سال کو کہتے ہیں؟

❹ ''الفاروق'' مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مشہور تصنیف ہے..... بتائیے مشہور کتاب ''الغزالی'' کے مصنف کا کیا نام ہے؟

❺ ''اصولِ انعکاسِ نُور'' مسلمان سائنس دان ابن الہیثم نے پیش کیے تھے..... بتائیے ''اصولِ انعطافِ نُور'' کس مسلمان سائنس دان نے وضع کیے تھے؟

❻ 16 دسمبر 1971ء کو ''مشرقی پاکستان'' کو ''بنگلہ دیش'' کا نام دیا گیا تھا..... آپ یہ بتائیے کہ 22 مئی 1972ء کو ''سیلون'' کو کون سا نیا نام ملا تھا؟

❼ ''بیفن'' (رقبہ: 507449 مربع کلومیٹر) کینیڈا کا سب سے بڑا جزیرہ ہے..... بتائیے جاپان کے سب سے بڑے جزیرے کا کیا نام ہے؟

❽ ''درّہ ''باڈپولا'' (بلندی: 19412 فیٹ) کا تعلق تبت (چین) سے ہے..... بتائیے ''درّہ خنجراب'' (بلندی 15100 فُٹ) کس ملک میں واقع ہے؟

❾ ''Cancer'' ایک موذی مرض ہے، جسے اردو زبان میں ''سرطان'' کہتے ہیں..... بتائیے ''Tuberculosis'' کو اُردو زبان میں کیا کہا جاتا ہے؟

❿ ''اپنا اپنا کرنا، اپنا اپنا بھرنا'' اردو زبان کی ایک مشہور ضرب المثل ہے، جس کا مطلب ہے ''جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا''..... بتائیے ''اپنا توشہ اپنا بھروسا'' کا کیا مطلب ہے؟

صف شکن ۲۳

محمد فہیم عالم

”اگر تم لوگوں نے میری اس نصیحت پر عمل کیا تو اِن شاء اللہ تعالیٰ! مسلمان آپس کی خوں ریزی سے بچ جائیں گے۔ کچھ عرصہ قبل جب میں بیمار ہوا تھا تو میں نے تمھیں وصیت کرتے ہوئے نصرت الدین امیر کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا، لیکن افسوس! وہ خود کو اِس منصب کا اہل ثابت نہ کر سکا، اس لیے میں اپنی سابقہ وصیت منسوخ کرتا ہوں۔

میری آخری وصیت یہ ہے کہ میرے بعد تم لوگ امیرِ موصل قطب الدین مودود کے ہاتھ پر بیعت کر لینا، کیوں کہ اس کی عادات اور اَخلاق عمدہ ہیں اور اُس کے دل میں دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد کا جذبہ موجود ہے۔“ اتنا کہہ کر سلطان نور الدین زنگی خاموش ہو گیا۔ اس موقع پر موجود تمام امرا نے سلطان کی وصیت پر عمل کرنے کا حلف اُٹھایا۔ سلطان نے ایک خاص قاصد کے ذریعے اپنے بھائی قطب الدین مودود کو بھی اپنی وصیت کی اطلاع بھجوائی اور اُسے دمشق آنے کی دعوت دی۔ دوسری طرف کچھ امرا نصرت الدین امیر کو دِمشق کا والی بنانے کی خواہش رکھتے تھے اور دَر پردَہ اس کے لیے راہ ہموار کر رہے تھے۔ وہ نصرت الدین کو اِس بات پر اُبھار رہے تھے کہ وہ سلطان سے بغاوت کر کے دمشق پر قبضہ کر لے۔

......☆......

”سلطان معظم! گورنرِ حلب کے سپاہیوں نے ایک قاصد کو گرفتار کیا ہے، قاصد کی تلاشی لینے پر یہ خط برآمد ہوا ہے۔“

یہ کہہ کر کمان دار نے ایک مکتوب سلطان کے سامنے پیش کر دیا۔

”پڑھ کر سناؤ!“ سلطان کی آواز میں نقاہت تھی۔ سپہ سالار نے خط پڑھنا شروع کیا:

”نصرت الدین کے نام!

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، پہلے سلطان نے آپ کو اپنا جانشین بنایا تھا اور بے شک مسلمانوں کے حق میں سلطان کا یہ اچھا فیصلہ تھا، لیکن اب سلطان نے اپنی پرانی وصیت منسوخ کر کے اپنے بھائی قطب الدین مودود کو

دِمشق کا والی مقرر کر دیا ہے۔ سلطان کا یہ فیصلہ سراسر اقربا پروری ہے، اس لیے ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ آپ اپنے حق، بل کہ تمام مسلمانوں کے حق کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں اور دِمشق جو کہ آپ کا حق ہے، اُس پر قبضہ کر لیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔''

اس کے نیچے چند اَمیروں کے دستخط اور نام تھے۔ شدید بیماری میں بغاوت کی یہ خبر سُن کر سلطان بہت دل برداشتہ ہوا۔

اُس نے فوراً سازشی امرا کی گرفتاری کا حکم دیا۔ چند اَمیر روپوش ہو گئے، جب کہ اکثر گرفتار کر لیے گئے۔ باغیوں کو سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ ان لوگوں نے اعترافِ جرم کر کے سلطان سے معافی کی درخواست کی۔ سلطان نے فراخ دِلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کا قصور معاف کر دیا اور اُنھیں رِہا کرنے کا حکم دیا۔ اتنے میں اطلاع ملی کہ نصرت الدین امیر ایک بڑا لشکر لے کر دمشق کی طرف آ رہا ہے اور دریائے فرات عبور کر چکا ہے۔

یہ خبر سُن کر اَسد الدین شیرکوہ فوراً لشکر لے کر نصرت الدین کے مقابلے کے لیے نکل گیا۔

نصرت الدین کو جیسے ہی شیرکوہ کے کوچ کی اطلاع ملی وہ مقابلہ کیے بغیر ہی راستے سے واپس چلا گیا۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے سلطان پر اپنا خاص کرم فرمایا اور سلطان کی طبیعت دن بدن سنبھلنے لگی۔ جس دن شیرکوہ واپس دمشق پہنچا سلطان کافی حد تک صحت یاب ہو چکا تھا۔

دوسرے روز سلطان کا بھیجا ہوا قاصد بھی موصل سے واپس آ گیا۔ اُس کے ساتھ قطب الدین مودود کی طرف سے اُس کا وزیر جمال الدین ابوجعفر محمد بھی سلطان کی عیادت کے لیے آیا تھا۔ سلطان کو صحت یاب دیکھ کر اُسے بے حد خوشی ہوئی۔ کچھ دن قیام کے بعد جمال الدین واپس موصول چلا گیا۔ سلطان نے بہت سے قیمتی تحائف دے کر اُسے رخصت کیا۔

.....☆.....

''اچھا تو یہ صلیبی مجھے بیمار سمجھ کر مسلمانوں کے علاقوں پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! ان کا یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ لشکر کو کوچ کے لیے تیار کرو۔'' سلطان مکمل صحت یاب ہو چکا تھا۔ اچانک اطلاع ملی تھی کہ قسطنطنیہ اور فرانس کے بادشاہ متحد ہو کر اِسلامی سلطنت کے علاقوں پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں اور اُن کا ایک بڑا لشکر حمص اور حماۃ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ اطلاع پا کر سلطان کسی طوفان کی طرح اُٹھا اور اپنے لشکر کے ساتھ حمص، حماۃ اور شیزر سے ہوتا ہوا صلیبیوں کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ صلیبیوں کا خیال تھا کہ سلطان بیمار ہے، وہ اس کی بیماری کا فائدہ اُٹھا کر اپنی من مانی کر سکیں گے، لیکن اچانک سلطان کو اپنے سامنے تن درست پا کر وہ حواس باختہ ہو گئے۔ سلطان کو خود جنگ کے لیے بہ نفسِ نفیس پا کر تو اُنھوں نے لڑائی سے گُریز کرتے ہوئے واپسی کی راہیں ڈھونڈنی شروع کر دیں۔

چناں چہ قسطنطنیہ (روم) کے بادشاہ نے سلطان کو پیغام بھیجا:

''ہمارا یہاں آنے کا مقصد جنگ نہیں ہے، بل کہ ہم ان عیسائی قیدیوں کو چھڑانے کے لیے آئے ہیں جو آپ کی قید میں ہیں۔ ان کے عوض ہم مناسب فدیہ دینے کے لیے تیار ہیں۔''

سلطان نے اس کی درخواست قبول کر لی اور فدیے کی ایک مقررہ رقم لے کر تمام عیسائی قیدیوں کو رِہا کر دیا۔ شاہِ قسطنطنیہ نے سلطان کا شکریہ ادا کیا اور مختلف اقسام کے قیمتی جواہرات، دیبا کا ایک خیمہ اور چند گھوڑے تحائف کی صورت میں بھیجے۔ یکم جمادی الاولیٰ ۵۵۴ھ کو دونوں بادشاہ اپنے لاؤ لشکر سمیت واپس چلے گئے۔

اس مہم سے فارغ ہو کر سلطان شہر حران کی طرف بڑھا۔ اس پر نصرت الدین نے سلطان سے بغاوت کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ سلطان شہر کے قریب پہنچا تو نصرت الدین قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا اور کئی دن تک سلطانی لشکر کا مقابلہ کرتا رہا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ نورالدین قلعے پر قبضہ کیے بغیر واپس نہیں جائے گا تو ایک رات قلعے کے ایک خفیہ دروازے سے نکل کر بھاگ گیا۔ اس کے جانے کے بعد ۲۰ جمادی الآخر کو اہلِ قلعہ نے سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔

سلطان نے نصرت الدین کے متعلقین کو اُس کے پاس پہنچانے کا حکم دیا اور حران کو اَمیر زین الدین کی جاگیر میں دے دیا۔

۵۵۵ھ میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ قونیہ کے والی قلیج ارسلان ثانی اور سلطان نورالدین زنگی کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ نورالدین نے قلیج ارسلان کو شکست دے کر ماراش اور کریسن کے مقامات اس سے چھین لیے۔ دو مسلم حکمرانوں کی اس چپقلش کو شاہ یروشلم بالڈون نے غنیمت جانا اور کئی ہزار فوج کے ساتھ دمشق پر چڑھ دوڑا۔ اسد الدین شیرکوہ جو اِس خطرے کو تاڑ کر پہلے سے راستے میں فوج لیے منتظر تھا، بجلی کی سی تیزی سے عیسائیوں کے مقابلے کے لیے بڑھا اور دو تین کاری ضربیں لگا کر بالڈون کے سارے عزائم خاک میں ملا دیے اور وہ یروشلم واپس جانے پر مجبور ہو گیا۔ عیسائیوں

نے دمشق کی فتح کا جو خواب دیکھا تھا وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

اس واقعے کے تقریباً ایک سال بعد نومبر ۱۱۶۱ء میں بالڈون شاہ یروشلم نے وفات پائی۔ عیسائیوں کے نزدیک وہ ایک نہایت اچھا بادشاہ تھا، اس لیے انھیں قدرتی طور پر اُس کی موت سے سخت دھچکا لگا اور یروشلم کے نظامِ حکومت میں زبردست خلا پیدا ہو گیا۔ اس موقع پر بعض لوگوں نے سلطان کو رائے دی کہ عیسائیوں کی کم زوری سے فائدہ اٹھا کر یروشلم پر حملہ کر دینا چاہیے۔ اگر سلطان ان لوگوں کا مشورہ قبول کر لیتا تو اُس وقت یروشلم پر قبضہ کر لینا چنداں مشکل نہ تھا، لیکن بلند حوصلہ اور عالی ظرف سلطان نے یہ کہہ کر اِس مشورے کو رَد کر دیا:

''ہمیں غم زدہ عیسائیوں پر رحم کھانا چاہیے۔ بالڈون اُن کے نزدیک ایک بہت اچھا بادشاہ تھا۔ اس وقت جب کہ وہ اس کا سوگ منا رہے ہیں، ان پر حملہ کرنا مردانگی کے خلاف ہے۔ ان کے ہوش و حواس بحال ہو جائیں تو میں ان سے ہر وقت لڑ سکتا ہوں۔''

بالڈون کے بعد عیسائیوں نے اس کے بھائی اموری (یا امالرک) حاکم یافہ و عسقلان کو یروشلم کا بادشاہ منتخب کیا۔ اس کمینہ صفت انسان نے نورالدین کے اس احسان کا بدلہ اس طرح چکایا کہ چند سال بعد جب سلطان نے وفات پائی تو اُس نے فوراً بنیاس پر حملہ کر دیا اور سلطان کی بیوہ سے ایک کثیر رقم لے کر محاصرہ اٹھانے پر رضامند ہوا۔ اس معرکے کی تفصیل ہم آئندہ صفحات میں پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

.....☆.....

''اے نورالدین! یہ دو آدمی مجھے ستارے ہیں، ان کے شر کو ختم کرو۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی سلطان نورالدین زنگی کی آنکھ کھل گئی اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا پورا بدن پسینے میں شرابور تھا۔ ان الفاظ کی ہیبت اور جلال کی وجہ سے اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ وہ ایک شب بیدار اور عبادت گزار انسان تھا۔ اُس کی رات کا اکثر حصہ عبادت اور ذکر و اَذکار میں گزرتا تھا۔

اس کا معمول تھا کہ نمازِ عشا کے بعد نوافل پڑھتا اور حضور ﷺ پر سینکڑوں مرتبہ درود بھیج کر تھوڑی دیر کے لیے سو جاتا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ پھر تہجد کے لیے اُٹھ کھڑا ہوتا اور پھر فجر تک نہایت خشوع خضوع کے ساتھ عبادت میں مشغول رہتا۔

وہ ۵۵۷ ہجری بمطابق ۱۱۶۲ عیسوی کی ایک شب تھی۔ سلطان نورالدین زنگی درود اور وظائف سے فارغ ہو کر بستر پر لیٹا تو اُسے یہ خواب آیا۔

اُسے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرمایا:

''نورالدین! یہ دو آدمی مجھے ستارے ہیں، ان کے شر کا خاتمہ کرو۔''

سلطان یہ خواب دیکھ کر شش و پنج میں پڑ گیا۔ اُسے اس کی تعبیر سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ صبح سلطان نے کثیر مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کیا۔

دوسری رات پھر وہی خواب نظر آیا۔ حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے ان دو آدمیوں کے بارے میں فرمایا۔

نورالدین زنگی نے صبح اٹھ کر پھر کثیر مال صدقہ کیا۔ تیسرے دن پھر وہی خواب دوبارہ نظر آیا۔ تیسری بار خواب دیکھ کر سلطان سخت مضطرب ہوا۔ اس بار اِستغفار پڑھتا اور روتا ہوا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرنے لگا:

''میری جان، میرا مال، میری اولاد، سب کچھ آقائے مدنی ﷺ پر قربان! میرا سب کچھ اُن پر نثار میرے آقا اور مولا کو کوئی ستائے، یہ میرے جیتے جی نہیں ہو سکتا۔ خدا اِس دن کے لیے نورالدین کو زندہ نہ رکھے کہ حضور ﷺ غلام کو یاد فرمائیں اور وہ دمشق میں آرام سے بیٹھا رہے۔'' اس کے بعد سلطان مدینے کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہر مسلمان کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ کوئی بھی شیطانی طاقت حضور ﷺ کی مبارک شکل اختیار کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ اگر کوئی شخص حضور ﷺ کو خواب میں دیکھے تو اُس نے واقعی حضور ﷺ کو ہی دیکھا۔ اس خواب کے سچا ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا، اسی لیے نورالدین زنگی وہ خواب دیکھ کر بے چین ہو گیا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ مدینہ منورہ میں ضرور کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہے جس کی وجہ سے حضور ﷺ کی روحِ اقدس کو تکلیف پہنچی ہے۔

سلطان کے ساتھ بیس وزرا اور مشیر بھی تھے۔ گھوڑوں پر مال و دولت لدا ہوا تھا۔ سلطان نے مدینے کی طرف اس سفر کی وجہ کو خفیہ رکھا تھا۔ دمشق والے حیران تھے کہ اتنا مال و دولت لے کر سلطان اچانک کہاں جا رہا ہے۔

اُس زمانے میں دمشق سے مدینہ منورہ پہنچنے میں عام طور پر بیس سے پچیس دن لگتے تھے، لیکن سلطان نے یہ سفر اِنتہائی برق رفتاری سے طے کیا اور سولھویں دن مدینہ منورہ جا پہنچا۔ اہلِ مدینہ اُس کی اس اچانک آمد پر حیران رہ گئے۔

سلطان نے آتے ہی حکم دیا:

''شہر کے تمام خارجی اور داخلی دروازے بند کر دیے جائیں۔''

اور پھر منادی کروادی کہ آج سلطان کی طرف سے تمام اہل مدینہ کی دعوت ہے۔ سب لوگوں نے سلطان کی اس دعوت کو نہایت خوش دلی سے قبول کیا اور مقررہ وقت پر کھانے کے لیے پہنچ گئے۔ سلطان اُس جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ جہاں سے تمام شہری گزر کر طعام خانے میں داخل ہو رہے تھے۔ سلطان ہر ایک کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا، لیکن خواب میں دکھائے گئے وہ دو آدمی سلطان کو نظر نہ آئے۔ یوں شہر کے تمام لوگ سلطان کے سامنے سے گزر گئے۔ سلطان کی بے چینی اور اِضطراب بڑھتا جا رہا تھا، کیوں کہ سلطان کو مطلوبہ چہرے دکھائی نہیں دیے تھے۔

سلطان نے کوتوال شہر سے پوچھا:

''اہل مدینہ میں سے کوئی ایسا شخص تو باقی نہیں رہا جو کسی بھی وجہ سے دعوت میں شریک نہ ہو سکا ہو۔''

کوتوال نے جواب دیا:

''مدینے میں موجود تمام گھر سلطان معظم کی دعوت میں حاضر ہو چکے ہیں، بس دو غیر ملکی زائر ہیں جو ایک مدت سے مدینے میں مقیم ہیں، وہ دعوت میں شریک نہیں ہو سکے۔ وہ دونوں بزرگ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ عبادت سے فارغ ہو کر جنت البقیع میں لوگوں کو پانی پلاتے ہیں۔ وہ لوگوں سے نہیں ملتے۔ جنت البقیع کے علاوہ وُہ اپنے گھر سے بھی نہیں نکلتے۔''

یہ تفصیل جان کر سلطان کی بے چینی مزید بڑھ گئی۔ سلطان نے حکم دیا:

''ان دونوں کو بھی بلا کر لاؤ، ہماری خواہش ہے کہ اس مقدس شہر کا کوئی بھی باشندہ ہماری دعوت سے محروم نہ رہے۔''

کچھ ہی دیر بعد اُن دونوں کو سلطان کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ سلطان کی نظر جیسے ہی اُن کے چہروں پر پڑی وہ بُری طرح چونک اُٹھا، کیوں کہ یہ تو وہی چہرے تھے جن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ مجھے تنگ کر رہے ہیں۔ انھیں دیکھتے ہی سلطان کا خون کھول اُٹھا۔

لیکن سلطان نے پہلے تحقیق کرنا ضروری سمجھا، کیوں کہ ان کا لباس زاہدانہ اور شکل وصورت نیک لوگوں کی طرح تھی۔ اہل مدینہ بھی ان کی عبادات و ریاضت میں مشغولیت کی وجہ سے انھیں عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

سلطان نے اُن سے پوچھا:

''تم دونوں کہاں رہتے ہو؟''

اُن میں سے ایک نے جواب دیا:

''محمد ﷺ کے روضۂ اقدس کے قریب ہم نے ایک مکان کرائے پر لے رکھا ہے اور ہم اُس میں ہر وقت ذکرِ الٰہی اور درودِ نبوی ﷺ میں مشغول رہتے ہیں۔''

اُن کی بات سن کر سلطان نے سپاہیوں کو حکم دیا:

''ان دونوں کو اپنی نگرانی میں رکھو اور مجھے ان کے مکان پر لے چلو۔''

اور سلطان شہر کے معزز لوگوں کے ساتھ اُس مکان میں جا پہنچا جہاں وہ دونوں رہتے تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا، جس میں موجود نہایت مختصر سامان مکینوں کی زاہدانہ زندگی کی شہادت دے رہا تھا۔ اہل مدینہ ان کی عبادت و ریاضت کے معترف تھے، لیکن سلطان کا دل مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ اُس نے ٹھونک بجا کر مکان کو دیکھنا شروع کیا۔

اچانک ایک چٹائی کے نیچے فرش ہلتا ہوا محسوس ہوا۔ چٹائی ہٹا کر دیکھا گیا تو ایک چوڑی سی سل نظر آئی۔ جیسے ہی سل کو سرکایا گیا تو ایک خوف ناک انکشاف اُن کا منتظر تھا۔ نیچے ایک سرنگ تھی جو روضۂ اقدس کی طرف جا رہی تھی۔ بے اختیار سلطان کے منہ سے نکلا:

''صدق اللہ وصدق رسولہ النبی الکریم ﷺ۔''

کہ اللہ اور اُس کے رسول کریم ﷺ نے سچ کہا۔

سلطان سارا معاملہ سمجھ گیا تھا۔ مدینہ منورہ کے سادہ مزاج لوگ حیرت اور تعجب سے ان بھیڑ نما بھیڑیوں کو دیکھ رہے تھے۔ سلطان قہر و جلال کی مجسم تصویر بن گیا تھا۔ اُس نے ان دونوں ملعونوں کو زنجیروں میں جکڑنے کا حکم دیا۔ وہ بیڑیوں میں جکڑ کر سلطان کے سامنے پیش کیے گئے تو سلطان نے انتہائی غضب ناک لہجے میں پوچھا:

''سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟ اور تم نے روضۂ اقدس کی طرف سرنگ کیوں کھودی؟''

جب انھوں نے دیکھا کہ اُن کا راز فاش ہو چکا ہے تو بڑی ڈھٹائی سے بولے:

''ہم صلیبی ہیں، ہماری قوم نے یہ کام ہمارے ذمہ لگایا تھا کہ مسلمانوں کے پیغمبر کی لاش لے کر آؤ۔ ہم اس کام کو انجام دینے کے لیے اس شہر میں آئے۔ روضے کے قریب مکان کرائے پر لیا اور قبر کی طرف سرنگ کھودنی شروع کر دی۔ روزانہ عصر کے بعد ہم اپنے تھیلوں میں سرنگ سے نکالی گئی مٹی بھرتے اور جنت البقیع میں پھینک آتے۔ ہم یہ کام اس قدر خفیہ انداز میں کر رہے

تھے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی۔ ہم قبر کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ آج رات ہمیں اُمید تھی کہ ہم قبر تک پہنچ جائیں گے۔ منصوبہ یہی تھا کہ قبر تک پہنچتے ہی ہم لاش نکال کر آج رات ہی اپنے ملک روانہ ہو جائیں گے، لیکن افسوس! ہمارا راز تمھارے سامنے کھل گیا۔ ہم نے یہ کام اپنی قوم کے لیے کیا ہے اور ہمیں اس پر کوئی افسوس نہیں۔''

سلطان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اُس نے تلوار سے دونوں بدبختوں کی گردنیں اڑا دیں اور اُن کی لاشیں بھڑکتی ہوئی آگ کے آلاؤ میں ڈلوا دیں۔

یہ عظیم کام اور اہم سعادت انجام دے کر سلطان پر رقت طاری ہوگئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ وہ پکارنے لگا:

''زہے نصیب! اس خدمت کے لیے حضور ﷺ نے اس غلام کو منتخب فرمایا۔''

اس کے بعد سلطان نے روضۂ رسول ﷺ کے گرد ایک گہری خندق کھودنے کا حکم دیا۔ جب روضۂ اطہر کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھودی گئی کہ زمین سے پانی نکل آیا تو اُس میں پگھلا ہوا سیسہ بھر دیا گیا، تاکہ آئندہ کوئی بدبخت ایسی حرکت نہ کر سکے۔ سلطان کی بنائی ہوئی وہ دیوار آج تک موجود ہے اور اِن شاء اللہ تعالیٰ! تا قیامت موجود رہے گی۔ سلطان نورالدین زنگی کی مغفرت کا سامان اس سے بہتر بھلا اور کیا ہو سکتا ہے۔ آج بھی اہل مدینہ سلطان کا نام نہایت محبت اور عقیدت سے لیتے ہیں۔ ان کا شمار اُن نفوس قدسیہ میں ہوتا ہے جن پر خود حضور ﷺ نے اعتماد کا اظہار فرمایا اور اُن کے محب رسول ﷺ ہونے کی تصدیق فرمائی۔ یہ سعادت انجام دے کر سلطان واپس دمشق آ گیا۔

.....☆.....

''طرابلس کے عیسائی والی کاؤنٹ ریمنڈ نے اپنی ریاست (کاؤنٹی) کے نواحی مسلم علاقوں میں لوٹ مار کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔''

سلطان نورالدین زنگی کو جیسے ہی صلیبیوں کی اس شر انگیزی کی اطلاع ملی اُس نے فوراً لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور انتہائی تیزی سے طرابلس کی طرف کوچ شروع کر دیا۔ سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ تیزی سے مسافتیں طے کیں اور حصن الاکراد کے قریب بقیعہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔

قلعہ حصن الاکراد کے اندر صلیبی جنگ جوؤں کی ایک کثیر تعداد تھی۔ وہ ایک طویل عرصے سے سلطان کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، لیکن ان میں یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ کھلے میدان میں سلطان کا مقابلہ کر سکیں۔ وہ قلعہ بند ہو کر کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ سلطان کا لشکر پڑاؤ ڈال کر خیموں میں آرام کر رہا تھا۔ ابھی باقاعدہ جنگ شروع نہیں ہوئی تھی، اس لیے فوج نے ہتھیار کھولے ہوئے تھے۔ صلیبی جنگ جو قلعے کے ایک خفیہ دروازے سے نکل کر پہاڑی راستے طے کرتے ہوئے اچانک اسلامی لشکر پر عقب سے آ پڑے۔ مسلمانوں کو ہتھیار سنبھالنے کی بھی مہلت نہ ملی۔ صلیبی جنگ جوؤں نے آناً فاناً اسلامی لشکر کی ایک بڑی تعداد کو شہید کر دیا۔ کچھ ہی دیر میں صلیبیوں نے سلطان کے خیمے کا محاصرہ کر لیا۔ سلطان نے اس نازک موقع پر حوصلہ اور شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ سلطان بغیر شاہی قبہ پہنے ہاتھ میں تلوار لیے اُٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے وار کرتا ہوا صلیبی صفوں کو چیرتا ہوا نکل گیا۔ خوش قسمتی سے سلطان کا گھوڑا خیمے کے باہر کھڑا تھا۔ سلطان اچک کر گھوڑے پر سوار ہوا اور چاروں طرف پھیلے ہوئے جتھوں کے درمیان سے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ نکل گیا۔ تاریخ میں سلطان کی اس شکست کو سانحہ حصن الاکراد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ اب تک کی سلطان کی سب سے بدترین شکست تھی۔

سلطان کے تقریباً اکثر سپاہی شہید ہو گئے تھے۔ اس شکست سے سلطان کو صدمہ تو بہت ہوا، لیکن اس کے عزم و ہمت میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہوئی۔ وہ اس سانحے کی جگہ سے صرف چھے میل کے فاصلہ پر حمص کے قریب بحیرۂ قدس کے کنارے ایک جگہ ٹھہر گیا۔ سلطان اور اُس کا گھوڑا، دونوں بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ سلطان کو اپنے جاں بازوں کی شہادت کا دکھ تھا۔ سلطان اسی صدمے سے خود کو نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کی حالت زخم کھائے شیر کی سی تھی۔ اب اُسے ہر قیمت پر اپنے جاں باز سپاہیوں کا انتقام لینا تھا۔

.....(جاری ہے).....

دونوں برانچوں میں

KID'S

Collection shoes

Annual SALE STARTING 10th JAN SUNDAY OPEN

اسکول شوز ہر سائز میں۔۔۔ چھ ماہ کی گارنٹی کے ساتھ۔۔۔

DISPLAY ITEM 10% OFF

New Discount Price

~~2990~~ 800
~~2490~~ 700
~~1990~~ 600
~~1490~~ 500

Branch 1

Shop No. 9, Star Centre, Near Chawla Centre,
Main Tariq Road Karachi. Ph: 021-34315359

Branch 2

Shop No. 1, Saima Paari Glorious Opp: Sindh
Lab, Main Tariq Road, Karachi. Ph: 021-34382622

NEW OPENING HAND BAGS 20% OFF

She shoes

Shoes for ladies and kids

10% OFF

ON ALL DISPLAY ITEMS

LIMITED TIME OFFER

SCHOOL SHOES & PT SHOES
AVAILABLE ONLY 790/=

FANCY CLUTCH
& WALLET

KIDS	LADIES
500	700
600	800
700	900
800	1000
	1100
	1200

Annual SALE STARTING 7th Feb SUNDAY OPEN

ذوق وشوق
میگزین ساتھ لانے
پر اسپیشل
10%
ڈسکاؤنٹ

Shop No. 14-15, Lavish Mall, Opp. Rabi center,
Main Tariq Road, Karachi. Tel.: 0213-4547778, 0213-34327331

کوپن برائے

بلاعنوان ۱۵۷

نام: _____ ولدیت: _____

مکمل پتا: _____

فون نمبر: _____

کوپن برائے

ذوقِ معلومات ۵۶

نام: _____ ولدیت: _____

مکمل پتا: _____

فون نمبر: _____

سوال آدھا ۱۲ جواب آدھا

نام: _____ ولدیت: _____

مکمل پتا: _____

فون نمبر: _____

کوپن برائے

بچو! اس کا نام بتانا ۳

نام: _____ ولدیت: _____

مکمل پتا: _____

فون نمبر: _____

کوپن برائے

قرآن کوئز ۱

نام: _____ ولدیت: _____

مکمل پتا: _____

فون نمبر: _____

ہدایات: جوابات ۳۱ اگست ۲۰۲۰ تک ہمیں موصول ہو جانے چاہییں.....☆ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا.....

☆کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

پیارے بچوں کے لیے
پیاری کتابیں

مکتبہ بیت العلم

فدا منزل، نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی۔
+92-312-3647578 ، +92-21-32726509

17 الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔
+92-321-4361131 ، +92-42-37112356

ای میل: mbikhi.pk@gmail.com، ویب سائٹ: www.mbi.com.pk

سلسلۃ

تحفۃ الدعاء

دعا عظیم نعمت اور انمول تحفہ ہے، دعا اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس سے راز و نیاز کا ذریعہ ہے، دعا مایوسی میں امید کی کرن ہے، دعا کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام مسائل حل کروا سکتے ہیں، اس دنیا میں کوئی بھی انسان کسی بھی حال میں دعا سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

اسی فکر کے پیشِ نظر "مکتبہ بیت العلم" نے تحفۃ الدعا سیریز کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! اس سیریز کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں۔

MaktabaBaitulilm

بیت العلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk